کہکشاں

تاریک رہ گزر ہے تو سر پہ ہے کہکشاں
گرمِ سفر ہے آئینۂ دل کا کارواں

صلاح الدین نیر

تاریخ و سنِ اشاعت : . . . . ۵ر نومبر ۱۹۹۶ء

تعدادِ اشاعت : ۵۰۰

کتابت : . . . . شفیع اقبال

طباعت : . . . . . ● اعجاز پرنٹنگ پریس۔ چھتہ بازار۔ حیدرآباد

ناشر : . . . . صلاح الدین نیّر

ترتیب و تزئین : . . . . . ● صالحہ الطاف (مدیرہ خاتون دکن)

● ڈاکٹر صابرہ سعید

جزوی رقمی اعانت : . . . . اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش۔

قیمت : ۶۰ روپے

:. ملنے کے پتے .:

● حسامی بک ڈپو۔ مچھلی کمان۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲،

● مصنف کہکشاں۔ ۷/۸۲۴-۳-۱۱، نیو ملّے پلی۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱،

فون نمبر: 220015

انتساب

- اپنی تیسری نسل کے اُن شگفتہ پھولوں کے نام جن کے لئے میں بارگاہِ رب العزت میں دست بہ دعا ہوں کہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ سچائی، نیکی، اُصول پسندی، دیانت داری اور ایمانداری سے وابستہ رہے —
- یہ نام میرے پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کے ہیں جن کا مستقبل خدا کرے کہ روشن سے روشن تر رہے —

پوتے - پوتیاں :

- نجم السحر ذیشان - بصیرت نور افشاں - رحمت کہکشاں
- احتشام الدین عارف - سیف الدین عارف - عظمیٰ عارف - سارا عارف
- فروزاں منہاج الدین خسرو - شاداں منہاج الدین خسرو -

نواسے - نواسیاں .

- رضی الدّین شمیم - لئیق الدّین نسیم - عتیق الدین وسیم - شفیق الدین عظیم - انجم کہکشاں - شبنم گلفشاں - نیلم زرفشاں
- مصباح الدین سہیل - مفتاح الدین فضیل - فلاح الدین فیصل حسن بلال (راحیل) - جویریہ (جوہی) -

صلاح الدّین نیّر

ترتیب و تزئین

صلاح الدین نیّر ـــــ دانشوروں کی نظر میں۔

منظوم تاثرات

صلاح الدین نیّر خطوط کے آئینے میں

• پروفیسر احتشام حسین • پروفیسر گیان چند جین • ڈاکٹر غلام دستگیر رشید
• بیرسٹر اکبر علی خاں • محبوب حسین جگر • شاہد صدیقی • اختر حسن •
• پروفیسر منظور عالم • سید ہاشم علی اختر • ڈاکٹر راج بہادر گوڑ -
• پروفیسر غلام عمر خاں • ڈاکٹر داسر تقی • سلیمان اریب • فکر تونسوی
• شان الحق حقی • رضا نقوی واہی • پروفیسر شہریار • پروفیسر نثار احمد فاروقی
• ڈاکٹر رزاق فاروقی • پروفیسر کرامت علی • عتیق احمد عتیق • ڈاکٹر مظفر حنفی
• زبیر رضوی • عزیز تمنائی • بشیر بدر • مظہر امام • سلیمان خطیب
• ابوالفیض سحر • انیس الحق • ڈاکٹر راہی قریشی • افتخار امام -
• کبیر احمد • فاطمہ عالم علی خاں • پروین کمال • صالحہ الطاف
• سعید محسن یا نظم الہ • عبدالرحیم آرزو • محسن کمال • حامد بن شبیر
• راشد آذر • رئیس اختر • ظہور الحسن • اکمل حیدرآبادی

کہکشاں

میری بہت ہی پیاری، چہیتی نواسی "انجم کہکشاں" نے جو اُردو لکھنا پڑھنا جانتی ہے اور جس کو اُردو شعروادب سے کافی دلچسپی ہے، ایک دن میرے اسٹیڈی روم میں لگے ہوئے بک شلف میں کتابیں دیکھ رہی تھی ــ کتابیں دیکھتے دیکھتے اُس نے مجھ سے کہا ــ یہ ساری کتابیں جو مختلف موضوعات سے متعلق ہیں کل کون پڑھے گا، کون حفاظت کرے گا اِن کی۔ (چونکہ اکثر گھرانوں میں اُردو لکھنے پڑھنے کا چلن کم ہوتا جارہا ہے) میں نے کہا کہ ہمارے بزرگوں نے جو چراغ اپنے خونِ جگر سے جلایا ہے وہ کبھی بجھ نہیں سکتا۔

کوئی بھی مسئلہ کیوں نہ ہو جب انسان اس کو سلجھانے کے موقف میں رہتا ہے تو قدرت اُس کی مدد کرتی ہے۔

طوفانوں اور آندھیوں میں بھی اُردو کا چراغ جلتا رہے گا۔ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اُس نے شلف سے ایک کتاب نکالی اور پڑھنا شروع کیا۔ میں نے کہا اسی کو روشنی کا تسلسل کہتے ہیں۔

جب انجم کہکشاں کی شعروادب سے دلچسپی دیکھی تو دفعتاً خیال آیا کہ کیوں نہ زیرِ ترتیب کتاب کا نام "کہکشاں" رکھا جائے۔ جو لوگ مجھے بہت عزیز ہوتے ہیں اُنہیں میں کسی نہ کسی انداز میں دل و دماغ کی خلوت گاہ

میں محفوظ کر لیا کرتا ہوں۔ میرا دامن نت نئے پھولوں کے گلدستہ سے مہکا ہوا رہتا ہے۔

اس کتاب کا انتخاب اپنی تیسری نسل کے اُن تمام شگفتہ پھولوں کے نام کر رہا ہوں جو آسمانِ فکر و خیال میں کہکشاں کی طرح چمک رہے ہیں اور جن کی روشنی سے ایک ایک گوشۂ حیات منوّر ہوتا رہتا ہے۔

"کہکشاں" میں کچھ مشاہیر اُردو شاعر، ادیب، نقاد، دوست احباب اور کچھ عنایت فرماؤں کے بعض خطوط کے اقتباسات بھی شامل ہیں اور یہ تمام خطوط میری شخصیت اور میری شاعرانہ زندگی کے عکاس ہیں۔ میرے پہلے مجموعۂ کلام "گلِ تازہ" کی اشاعت کے بعد سے ہی مشاہیر اُردو کے خطوط میرے نام آنے لگے۔ میں نے اُن شخصیتوں کے تاثرات کو جو میری ذات اور میری شاعرانہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، پھولوں کی لڑیوں کی طرح ایک ساتھ پرو دیا ہے۔

قارئین کو بعض مضامین کی شمولیت سے اندازہ ہوگا کہ یہ تحریریں میری شاعرانہ زندگی کے بہت سے اہم پہلوؤں سے وابستہ ہیں۔

"کہکشاں" میں، میں نے اپنے مضامین کے علاوہ بعض دانشوروں کی تحریریں بھی شامل کی ہیں۔ میری یہ کتاب اُردو اکیڈمی آندھرا پردیس کی جزوی اعانت سے شائع ہو رہی ہے جس کے لئے میں اُردو اکیڈمی آندھرا پردیش کا شکر گزار ہوں۔ میرے شاعر دوست جناب شفیع اقبال نے میری بعض دوسری کتابوں کی طرح "کہکشاں" کی کتابت کے لئے بھی کافی وقت دیا ہے، میں شفیع اقبال صاحب کا ممنون ہوں کہ اُنہوں نے وقت کی پابندی کرتے ہوئے کتابت کی تکمیل کی۔ اعجاز پریس

کے مالک عزیزم سید نور محمد کا تعاون کئی برسوں سے جاری ہے۔ نہایت ذمہ داری کے ساتھ میری کتابوں کی اشاعت میں دلچسپی لیا کرتے ہیں۔ مجھے ان کا تعاون بھی ہمیشہ یاد رہے گا۔

اِس کتاب کی ترتیب و تزئین حسبِ روایات میری بہن صالحہ الطاف اور ڈاکٹر صابرہ سعید (رخشاں) نے کی ہے۔ اِن کے علاوہ بعض بے نام دوستوں کی مشاورت بھی کام آتی رہی۔ بہت سے کرم فرما ہیں کس کس کا نام لوں ——— کتاب قارئین کے پیشِ نظر ہے ——— زیادہ کیا عرض کروں۔

صلاح الدین نیّر

"کہکشاں" 11-3-824/7،
نیو ملے پلی۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱،
یکم نومبر ۱۹۹۶ء

صالحہ الطاف
مدیرہ "خاتونِ دکن"

صلاح الدین نیّر کی فائیل سے

(اقتباس...... بلا ترتیب)

• جناب صلاح الدین نیّر، تعلقہ ہمنا آباد ضلع بیدر شریف (ریاست حیدرآباد دکن) کے ایک علمی و دینی چھوٹے زمیندار گھرانے میں ۲۵ر جنوری ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدِ محترم جناب الحاج محمد شمس الدین ایک کامیاب تاجر ہونے کے علاوہ جامع مسجد ہمنا آباد کے خطیب تھے۔ ایک صوفی منش، خداترس، دیندار انسان تھے جن کا شمار ہمنا آباد کے اولین حاجیوں میں ہوتا ہے۔ جو اپنے سات بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان کے والد کا نام سراج الدین تھا۔ صلاح الدین نیّر کے بزرگ خاندان حضرت سید قطب الدین حسینی بخاری کے معتقدین میں سے تھے جن کے ہمراہ وہ بیدر سے ہمنا آباد آئے تھے۔ حضرت بخاری ہمنا آباد کے راجہ، راجہ رام چندر کی خواہش پر بیدر سے ہمنا آباد آئے تھے۔ راجہ رام چندر، حضرت بخاری کا عقیدتمند تھا۔ حضرت قطب الدین حسینی بخاری پہلے مسلمان ہیں جو ہمنا آباد میں سب سے پہلے تشریف لائے۔ محلہ کفر توڑ ہمنا آباد کی مسجد میں ان کا مزار ہے۔ ہمنا آباد میں بسنے والے مسلمانوں کا پہلا خاندان جناب صلاح صلاح الدین نیّر کا ننھیال ہے۔

اُن کے چچیرے نانا جناب محی الدین ریشم کی تجارت کرتے تھے۔

جناب صلاح الدین نیّر کے والدِ بزرگوار جناب شمس الدین کی تین بیویاں تھیں۔
دو بیویوں سے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے تیسری شادی کی۔ تیسری بیوی سے ۴ بیٹیاں
اور ۲ بیٹے تولد ہوئے۔ صلاح الدین نیّر بڑے بیٹے ہیں۔ اِن سے بڑی چار بہنیں ہیں۔
ان کی تینوں والدہ ایک ہی مکان میں رہتی تھیں جو ایک باڑہ کی شکل کا مکان تھا۔ تینوں
والدہ تمام بچوں کو دل و جان سے چاہتی تھیں۔ بچے زیادہ تر اپنی سوتیلی ماؤں سے لگے
تھے۔ خاص طور پر بڑی بہن فخر النساء بڑی والدہ سے بہت قریب تھیں۔ اسی طرح
بڑے بیٹے صلاح الدین نیّر دوسری والدہ سے قریب تھے۔ گھر کا سارا ماحول نہایت
خوشگوار تھا۔ تینوں والدہ مِل جل کر رہتی تھیں۔ جناب صلاح الدین نیّر کی عمر (۵)
برس کی تھی کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ کوئی معاشی پریشانی نہ تھی تینوں والدہ
کے علاوہ انہیں اپنے چچا غلام نبی، پھوپی زاد بہنوئی جناب عبدالحق، ماموں سسر عبدالحق
عبدالغفور اور عبدالشکور کی سرپرستی حاصل تھی۔ اِن تمام کی سرپرستی صرف تربیت
کے حد تک تھی۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ بہنوئی عبدالحق فنا کی حیثیت گھر داماد جیسی
تھی۔

● جناب صلاح الدین نیّر نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے تایا حضرت حیدر علی
سے حاصل کی۔ مدرسہ وسطانیہ ہمنا آباد میں داخلہ لیا۔ اُن کے شفیق اساتذہ میں
سے ایک استاد جناب نبی الحسن فیض آبادی (یو-پی) بھی تھے جو صلاح الدین نیّر
کی تعلیمی حالت سے بے حد مطمئن تھے اور اُنہیں بہت چاہتے تھے۔ جب صلاح الدین
نیّر تیسری جماعت کے طالبِ علم تھے تو اُس وقت قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر

اسکول کے معائینہ کے لئے آئے تھے۔ کلاس میں پہنچ کر دورانِ معائینہ صلاح الدین نیّر سے نام پوچھا اور نام کے معنی دریافت کئے۔ پیٹھ تھپتھپا کر سر پہ ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔ صلاح الدین نیّر جماعتِ ہفتم کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے حیدرآباد جانا چاہتے تھے۔ سرپرستوں کی یہ خواہش تھی کہ والد کے کاروبار سنبھالیں۔ صلاح الدین نیّر دُھن کے پکّے تھے۔ کسی طرح اپنی والدہ کو منا لیا اور تعلیم کی غرض سے حیدرآباد آگئے۔ حیدرآباد آنے کی ترغیب اُن کے خالہ زاد بھائی عبدالستار نے بھی دی تھی۔ ملازمت کے سلسلے میں بھی اُنہوں نے دلچسپی لی تھی۔ حیدرآباد آنے سے پہلے جناب صلاح الدین نیّر ہمنا آباد ہی میں منشی (جامعہ نظامیہ کا امتحان) دیا تھا۔ جو میٹرک کے مماثل تھا۔ جناب علیم الدین بھی اُن کے اچھے اُستاد تھے۔ حیدرآباد پہنچ کر اُنہوں نے پرائیوٹ اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے علیگڈھ میٹرک کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے۔ حیدرآباد میں میٹرک کی تعلیم پیراڈائز انسٹی ٹیوٹ میں حاصل کی، جہاں ان کے اساتذہ میں ڈاکٹر رزاق فاروقی ریٹائرڈ صدر شعبۂ اُردو گلبرگہ یونیورسٹی بھی تھے۔ جناب ایکناتھ پرشاد ہندی پڑھاتے تھے
جناب صلاح الدین نیّر نے ہمنا آباد میں اپنے اُستاد (نبی الحسن) سے فارسی میں مہارت حاصل کی۔ ہمنا آباد اسکول کے بانی جناب عبدالسلیم تھے، جب وہ فالج کے عارضہ میں مبتلا ہوئے تو اسکول کے سینیئر و قابل ترین اُستاد جناب نبی الحسن صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اسکول کے دوستوں میں عبدالغفور اُن کے بہت اچھے دوست تھے محلے کے دوستوں میں پھوپی زاد بھائی محمد شفیع الدین قابلِ ذکر ہیں۔
چچازاد بھائی عبدالکریم بھی ان کا خیال رکھتے تھے۔ محمد علی اور معشوق

بھی اچھے دوست تھے۔ صلاح الدین نیرؔ فٹ بال کے اچھے کھلاڑی رہے ہیں۔

جناب صلاح الدین نیرؔ کے ددھیال کے تمام افراد زراعت پیشہ تھے لیکن ان کے والد نے کبھی زراعت نہیں کی۔ اپنی آبائی زمین قول پر دے دی، اور خود تجارت میں مصروف ہو گئے۔ ابتداء میں ریشم کے کاروبار کیا کرتے تھے۔ حج سے واپسی اپنے ساتھی حاجی اور دوست جناب محمد حسین کی شراکت میں کپڑے کی دوکان لگائی۔ ننھیال کے کچھ افراد تجارت پیشہ تھے اور کچھ ملازم سرکار۔ ان کے والد اپنی والدہ کی بہت خدمت کیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی دعاؤں سے شمس الدین کا گھرانہ تمام خاندان میں ہر اعتبار سے خوشحال رہا۔ ددھیال کا یہ واحد گھرانہ ہے جو تمام خاندان کے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ کامران و کامیاب رہا۔

میٹرک کا امتحان ان کے چھوٹے بھائی ضیاء الدین اور بھتیجے مجیب الدین نے بھی ساتھ ساتھ دیا۔ میٹرک کامیاب کرنے کے بعد انٹرمیڈیٹ کے لئے مدھیہ پردیش بورڈ کا امتحان دیا۔ بھوپال اور اجمیر شریف امتحانی سنٹر تھے۔ مولانا قمر کے ادارہ شرقیہ میں اور مولانا کلیمی کے ادارہ اشاعت العلوم میں منشی فاضل (جامعہ نظامیہ) کی تعلیم پائی اور شرقیہ میں منشی فاضل کے ساتھی ڈاکٹر نذیر مرحوم اچھے دوست تھے۔ مولانا کلیمی نے شعر کہنے اور شعر فہمی کی تعلیم دی۔ شعر و سخن کا ذوق ادارہ اشاعت العلوم کے علمی و ادبی ماحول سے پیدا ہوا۔ ادارۂ اشاعت العلوم کے ساتھی مولانا صابر حسینی بہترین دوست رہے ہیں۔ منشی فاضل کی تعلیم کے سلسلے میں مولانا کلیمی اور علامہ تلمیذ الحسن کے طریقۂ تدریس نے متاثر کیا۔ اردو شعر و ادب سے دلچسپی کی بناء پر ادارۂ ادبیاتِ اردو کے اردو عالم اور اردو فاضل کے امتحانات دیئے اور امتیاز کے

ساتھ کامیابی حاصل کی۔ جامعہ اُردو علی گڑھ کا امتحان ادیب کامل بھی امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا ــــ منشی فاضل کی بنیاد پر لا کلاس (وکالت) میں داخلہ لیا۔ جس کی کلاسس شام میں ہائی کورٹ کی ایک بلڈنگ میں ہوا کرتی تھیں۔ اُس زمانے میں درجۂ اول، درجہ دوم اور درجہ سوم کی وکالت کا بھی رواج تھا۔ لا کلاس کے فارغ التحصیل آپ بھی اپنے پیشۂ وکالت میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ وکالت کی تعلیم صرف اُردو میں ہوتی تھی۔ وکالت کی ایک سال تعلیم پائی۔ راشننگ ڈیپارٹمنٹ میں بہ حیثیت کلرک تقرر ہوا۔ پہلی پوسٹنگ گوشہ محل کے آفس میں ہوئی۔ پھر مغل پورہ اور ملک پیٹھ کے راشننگ ڈیپارٹمنٹ میں متعین رہے۔ کچھ دنوں کے لئے کتہ گوڑم (ضلع کھمم) کے آفس پر تبادلہ ہوا۔ جب راشننگ ڈیپارٹمنٹ میں تخفیف عمل میں آئی تو ان کا انجذاب محکمہ کمیونٹی پروجکٹ میں ہوا۔ (کتہ گوڑم پر تبادلہ ہونے کی وجہ سے وکالت کی تعلیم ترک کر دی)۔

حیدرآباد میں اپنی بہن کے مکان واقع بیری الاوہ (گھانسی بازار) میں مقیم رہے۔ ان کے بہنوئی غوث محی الدین لینڈ ریکارڈ محکمہ بورڈ آف ریونیو میں انسپکٹر تھے۔ اسی مکان میں اُن کی ماموں زاد بہن بھی رہتی تھیں۔ ان کے شوہر عبدالواحد خان محکمہ اعداد و شمار میں انسپکٹر تھے۔ ریاستوں کی تقسیم جدید کے بعد ان کا الاٹمنٹ ریاستِ مہاراشٹرا میں ہوا۔ محکمہ ڈائرکٹر آف کمیونٹی پروجکٹ کے ڈائرکٹر جناب گرو سوامی تھے اور سکریٹری جناب ظہیر احمد (سکریٹریٹ وینگ)۔ اس محکمہ کے ساتھیوں میں مسرز علیم الدین، افضل حسین، خواجہ معین الدین، خواجہ بہاء الدین، بی۔ین۔ واگھرے، پربھاکر راؤ، کشٹیا کرن اور ارجن راؤ قابلِ ذکر ہیں۔

سنہ ۱۹۵۶ء میں جب ریاستوں کی تنظیم جدید ہوئی تو کمیونٹی پروجکٹ کا سارا محکمہ پلاننگ ڈیپارٹمنٹ (سکریٹریٹ) میں ضم ہو گیا۔ یہ محکمہ کچھ دنوں کے لئے سکریٹریٹ کی رویرو بلڈنگ شاہ پور واڑی میں رہا۔ سکریٹریٹ کے دوسرے محکموں کی طرح اس محکمہ میں بھی آندھرا اور تلنگانہ کے ملے جلے ملازمین کام کرتے تھے لیکن تعداد کے اعتبار سے ملازمین آندھرا کی تعداد تلنگانہ کے ملازمین کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔ اہم اہم سکشن آندھرا کے ملازمین کے سپرد رکھے جاتے تھے۔ آندھرا کے ملازمین اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے۔ ایسے ماحول میں جناب صلاح الدین نیر نے کبھی اپنی انفرادیت کو متاثر ہونے نہیں دیا۔ حیدرآبادی تہذیبی روایات کی ہر وقت پاسداری کی۔ سنہ ۱۹۵۷ء میں یو۔ ڈی۔ سی۔ (اسسٹنٹ سیکشن آفیسر) کی حیثیت سے ترقی ملی۔ کچھ برسوں کے بعد سیکشن آفیسر (گزیٹیڈ) کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۱۲ سال تک سیکشن آفیسر رہ کر وظیفۂ حسن خدمت پر محکمہ کو وداع کیا۔ سنہ ۱۹۵۶ء سے ریٹائرمنٹ تک ایک ہی محکمہ پلاننگ اینڈ پنچائت راج میں رہے۔

سنہ ۱۹۵۹ء میں ایوننگ اردو کالج میں بی۔او۔ال (گریجویشن) میں داخلہ لیا۔ کالج کے شفیق اساتذہ میں پروفیسر [illegible] پرنسپل کالج کے علاوہ ڈاکٹر حسینی شاہد، ڈاکٹر زینت ساجدہ، پروفیسر مغنی تبسم اور منظور احمد منظور شامل تھے پروفیسر سید محمد پرنسپل اردو کالج سے بھی ایم۔او۔ ایل۔ کی تعلیم کے سلسلے میں رہنمائی حاصل کی۔ ایم۔او۔ایل (ایم۔اے) کا امتحان اردو کالج کے طالب علم کی حیثیت سے دیا۔ صرف ایک کلاس اٹینڈ کی جبکہ عثمانیہ یونیورسٹی سے معائنہ کے لئے کمیشن آنے والا تھا۔ ڈاکٹر حبیب ضیا پڑھا رہی تھیں۔ ایم۔او۔ایل کا امتحان امتیاز کے

ساتھ کامیاب کیا۔ ایم۔ اے۔ ایل کے امتحان کی تیاری اپنے طور پر کی۔ کالج میں برائے نام داخلہ لیا تھا۔ اپنے کالج کی ادبی سرگرمیوں کے سلسلے میں بین کلیاتی ادبی مقابلوں کو عروج پر پہونچایا۔

اُردو کالج کی طالب علمی کے زمانے میں اُردو مجلس کی سرگرمیوں سے اپنے آپ کو وابستہ کیا۔ مسرز منظور احمد اور پروفیسر مغنی تبسّم معتمدین اُردو مجلس تھے۔

جناب صلاح الدین نیّر نے اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں علامہ قدر عریضی اور جناب اوج یعقوبی سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے۔ حضرت قدر عریضی فی البدیہہ شعر کہلواتے تھے۔ جناب صلاح الدین نیّر نے اپنی ابتدائی شاعری کے دور کا سارا کلام ضائع کیا (جو مشق کے طور پر تھا)۔ اُس دور کی کوئی ایک غزل بھی ان کے کسی ایک مجموعہ میں شامل نہیں ہے۔ ابتدائی زمانۂ شاعری صرف مشق کا تھا۔ صلاح الدین نیّر اپنی خوش لباسی، خوش مزاجی اور اپنی ترنم ریز شاعری کی وجہ سے شعر و ادب کی محفلوں میں اپنا رنگ جمانے لگے۔ جواں سال ذہین فطین شاعر کی حیثیت سے ہر محفل میں ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ شاعری کے ابتدائی زمانے سے ہی شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگے۔ گزشتہ ۳۵ برسوں سے ان کی ترقی کے قدم کبھی بھی نہیں رُکے۔ ان کی خوشبو کا سفر جاری ہے۔ ابتدائی شاعری کے اولین دور کے شاعروں میں ناصر کرنولی، ڈاکٹر صادق نقوی، رئیس اختر اور ساجد رضوی قابلِ ذکر ہیں۔ طرحی و غیر طرحی مشاعروں میں کلام سُناتے رہے۔ اضلاع کے مشاعروں میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کئے جاتے تھے (آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے)۔ اُردو کالج کی طالب علمی کے زمانے کے دوستوں میں ہاشم حسن سعید طالبِ علم ایم۔ اے (جامعہ عثمانیہ)

خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ طالبات میں فاطمہ نسرین (ویمنس کالج) کے علاوہ اور بھی دیگر لڑکیاں جنہیں شعر و ادب سے کافی ذوق تھا، یاد رکھے جانے والے نام ہیں۔ اُردو فیسٹول کے سلسلے کے طلبار دوستوں میں مسعود متین، الطاف حسین، ڈاکٹر مصطفےٰ کمال، احمد جلیس سے بھی اچھے مراسم تھے۔ اُس دور کے اساتذہ میں ڈاکٹر حفیظ قتیل اور حامد شطاری حوصلہ افزائی کرنے میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔

سکریٹریٹ کے بہترین ساتھیوں اور دوستوں میں سید افضل حسین، خواجہ بہاء الدین، علیم الدین، عباس ہاشمی، خواجہ معین الدین، بی۔ این۔ واگھرے، پربھاکر راؤ، کستیا کرن، ادارحمٰن راؤ اور عبداللطیف (آندھرا) کا شمار ہوتا ہے۔ جونیرس میں شکیل احمد کو بھی وہ پسند کرتے ہیں۔ سنیئر حضرات میں محمد فضل خاں، غوری صاحب، عابدی صاحب، یس۔ ایم۔ قادری اور رحیم الدین کی رفاقت نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ سکریٹریٹ کے اعلیٰ عہدیداروں سے بھی بہترین مراسم رہے۔ ان میں مسرز یس۔ اے۔ قادر ایڈیشنل چیف سکریٹری، رائے کنج بہاری لال، ایڈیشنل چیف سکریٹری بھارت چند کھنہ، ہاشم علی اختر، غلام احمد، غلام دستگیر قریشی، ہاشم علی خاں، غلام جیلانی، گرو داس، رشید قریشی، خواجہ [illegible] احمد، یس۔ اے۔ واسع، یس۔ اے۔ عزیز، بی۔ کے۔ سیٹھی، محمد تاج الدین، رحمن راؤ، سعد حسین سعد، شیخ مولا، صادق احمد، بشیر احمد، اور تراب الحسن کے نام اہم ہیں۔ جناب خواجہ بہاء الدین نے صلاح الدین نیر کے کلام کو مختلف پروگراموں میں پیش کر کے ادبی شہرت میں اضافہ کیا ہے۔

سکریٹریٹ میں بے شمار اہلِ غرض لوگوں کی بے لوث خدمت انجام دی۔

ملک الشعراء اوج یعقوبی کے احکام اجراء کے علاوہ کالج آف لنگویجس کے احیاء کے
لئے پرنسپل ہاشم حسن سعید، مدینہ کالج آف ایجوکیشن محبوب نگر کے قیام اور ہندی
اکیڈیمی کی سالانہ گرانٹ کے لئے کلیدی رول ادا کیا۔ ادارۂ ادبیاتِ اُردو، اور
انجمن ترقی اُردو کی گرانٹ کے سلسلے میں بھی تعاون کیا۔ اداروں کو گرانٹ کے سلسلے
میں مسٹر کرشنا موورتی ڈپٹی سکریٹری محکمۂ تعلیمات اور تحسین سیکشن آفیسر فینانس
بھی بھرپور تعاون کیا کرتے تھے۔ خاص طور پر شاعروں، ادیبوں، کالج اور یونیورسٹی
کے اساتذہ سے متعلق کام کے سلسلے میں بھی ان کی دلچسپی برقرار رہتی تھی۔
سکریٹریٹ کے کسی محکمہ کے متعلق کوئی کام کیوں نہ ہو بھرپور اور کامیاب تعاون
لیا کرتے تھے۔ سکریٹریٹ بلڈنگ میں واقع ڈسپنسری سے وابستہ ڈاکٹر غلام یزدانی بھی
ایک بہترین دوست اور ادب نواز شخصیت کی طرح سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن
کے میڈیکل کیمپس میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ اعلیٰ عہدیداروں سے مراسم کی بنیاد پر نوجوانوں
کے پاسپورٹ فارم پر سائن کروائے۔ مستحق ملازمین سرکار کے تبادلوں اور مستحق
نوجوانوں کے تقررات کے سلسلے میں کامیاب سفارش کی۔ سکریٹریٹ میں اُردو کے ماحول
کو زندہ رکھا۔ اُردو اسوسی ایشن کی معرفت بہت سے ضرورت مندوں کے کام نکالے۔
شروع ہی سے عہدیداران سکریٹریٹ سے اچھے مراسم رہے۔ باوقار انداز میں
سُرخروئی کے ساتھ اپنی سرکاری ذمہ داری کو پورا کیا۔ پوری مدت ملازمت میں ان پر کسی
بھی قسم کا ریمارک نہیں کیا گیا۔ اپنی شخصی دلچسپی سے سکریٹریٹ کے محکمۂ تعلیمات
(کلچرل افیرز سیکشن) سے بیسیوں شاعروں، ادیبوں کے مسودات پر گرانٹ دلوائی۔
جناب حبیب الدین سیکشن آفیسر محکمہ تعلیمات (کلچرل افیرز) نے مسلسل تعاون کیا ہے۔

جن میں مقابل ذکر ڈاکٹر حسینی شاہد، ڈاکٹر زینت ساجدہ، ڈاکٹر صابرہ سعید، انیس قیوم فیاض، رئیس اختر اور ایسے ہی کئی ادیب و شاعر کے مسودات شامل تھے۔ ہر اہلِ غرض جو اُن کے پاس آتا اُس کو مایوسی نہ ہوتی۔

چیرمین لنگوئج کمیشن ڈاکٹر سی۔ناراین ریڈی کو (جن کا آفس سکریٹریٹ میں تھا) ریاستی دفاتر میں تلگو کے زبردستی نفاذ کے سلسلے میں نرم پالیسی اختیار کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ بیشتر اُمور میں ڈاکٹر ریڈی نے ان کے مشوروں کو عملی جامہ پہنایا۔ ڈاکٹر ریڈی اُردو شاعری میں صلاح الدین نیّر سے مشورۂ سخن کیا کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ آج جاری ہے۔

۱۹۵۶ء میں اخبارِ سیاست سے اُس وقت وابستہ ہوئے جب وہ اُردو کالج میں بی۔او۔ایل کے طالبِ علم تھے۔ جناب محبوب حسین جگر جوائنٹ ایڈیٹر سیاست نے جناب شاہد صدیقی سے یہ کہہ کر محفلِ شعر کا کالم دیا کہ صلاح الدین نیّر اُردو کالج کی بزمِ اُردو کے صدر ہیں۔ جناب عابد علی خاں مدیر سیاست اور جناب محبوب حسین جگر کی راست نگرانی میں ادبی اُمور تکمیل پاتے رہے۔ علمی و ادبی سرگرمیوں میں ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں۔ شعبۂ شعر و سخن کے انچارج کی حیثیت سے شعراء کا تعارفی سلسلہ، کلام کا انتخاب، اصنافِ سخن، انعامی مقابلے، بہترین اشعار کا انتخاب، اور ایسے ہی مختلف نوعیت کی سرگرمیوں میں اہم حصّہ ادا کرتے رہے۔ جناب عابد علی خاں، جناب محبوب حسین جگر کے ساتھ اعتماد کی فضاء میں تا الحمد للہ ۳۰ برس سے اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ (آج بھی اپنی ذمہ داری نبھا رہے ہیں) جناب زاہد علی خاں مدیر سیاست بھی نیّر صاحب کی ذمہ دارانہ روش سے مطمئن ہیں۔

سیاست میں صلاح الدین نیر کے تبصرے، انٹرویوز مختلف اوقات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ جنہیں کتابی شکل دی جا چکی ہے۔

سکریٹریٹ میں ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی سے اکثر ملاقاتیں رہتیں اُردو شعر و ادب کے مختلف مسائل پر مشورہ کیا کرتے تھے۔ جناب ایم۔ باگا ریڈی جب وزیر پنچائت راج بن کر سکریٹریٹ آئے تو اُس زمانے میں بعض ملازمین سرکار کو اُن کا حق دلانے میں کامیاب رہے۔ عہدیداران سکریٹریٹ میں جناب غلام احمد ایسے معاملات میں بھرپور تعاون کیا کرتے تھے۔ سکریٹریٹ کا ماحول اُن کے لئے ہر اعتبار سے سازگار رہا۔ ملازمت کا کوئی ایک دور بھی اُلجھنوں کا باعث نہیں بنا۔ اچھے دوستوں، اچھے افسروں کا ساتھ رہا۔

سکریٹریٹ اسوسی ایشن کے تحت بے شمار ادبی، شعری و تہذیبی (موسیقی) پروگرامس ہوتے رہے۔ شعبۂ موسیقی کے انچارج جناب خواجہ بہاؤالدین نے اپنے رفقائے کار عباس ہاشمی، حسین خاں، تشکیل احمد وغیرہ کے ساتھ یادگار پروگرامس پیش کیا کرتے تھے۔ مظفر النساء ناز اور سیّدہ محسنہ شعبۂ خواتین کی انچارج تھیں۔ اُسی زمانے میں مظفر النساء ناز نیر صاحب سے مشورۂ سخن کرنے لگیں۔ جناب ایس۔ اے۔ واسع جوائنٹ سکریٹری پنچائت راج کے لئے بھی وہ دور بہترین دور رہا۔ کئی ملازمین سرکار کو انہوں نے فائدہ پہنچایا۔ جب "سلسلہ پھولوں کا" (خودنوشت) شائع ہوئی تو سکریٹریٹ کے اعلیٰ عہدیداروں نے جناب غلام احمد کی قیادت میں انتظام کیا

ہیں استقبالیہ دیا جن میں حسب ذیل اعلیٰ افسران شریک تھے۔ ہاشم علی اختر
خالد انصاری، راحت خواجہ، غلام دستگیر قریشی، رمن راؤ، ڈاکٹر حسن الدین احمد
صادق احمد، تراب الحسن اور سعد حسین سعد۔

جب سکریٹریٹ میں اردو سے دلچسپی لینے والے رفتہ رفتہ کم ہونے
لگے تو سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے جلسے کمیٹی ہال کے بجائے مولانا ابوالکلام
آزاد انسٹی ٹیوٹ میں ہونے لگے۔ اسوسی ایشن کے جلسے اب بھی وہیں ہوتے
ہیں۔ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے نام میں "قدیم" کا اضافہ کیا گیا تاکہ
یہ اسوسی ایشن کسی مرحلہ پر بھی تقسیم کا شکار نہ ہو۔ جو چراغ اردو جناب
صلاح الدین نیر نے جلایا ہے وہ پوری آب و تاب کے ساتھ جلتا رہے۔
اس وقت ریٹائرڈ چیف سکریٹری جناب شرون کمار سرپرست اسوسی
ایشن ہیں۔ نائب صدور مسرز غلام احمد، خالد انصاری، ایس۔ اے۔ واسع،
رمن راؤ، صادق احمد، سعد حسین سعد، خواجہ معین الدین ہیں۔ جناب
تراب الحسن صدر، صلاح الدین نیر معتمد عمومی، شکیل احمد معتمد، خواجہ
بہاء الدین انچارج شعبۂ موسیقی ہیں اور معاون انچارج شعبۂ موسیقی عباس ہاشمی
ہیں۔

صنعتی نمائش کے موقع پر ہر سال نمائش کلب میں مشاعروں کی ایک قدیم
روایت ہے زائد از ۲۵ برس سے نظامت کے فرائض انجام دیتے آرہے ہیں۔
جناب ہاشم سعید کی سرپرستی میں مشاعرہ کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔
ادارۂ ادبیات اردو سے شروع ہی سے یہ زمانہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

حصہ باقی لگاؤ ہے ۔ ڈاکٹر زور کی سرپرستی کی شعری و ادبی محفلوں کے انعقاد میں
معاون رہے ۔ ادارہ کے آفس سکریٹری جناب میر سراج الدین علی خاں تبسم صاحب
کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ تبسم صاحب اس وقت ادارہ کے شعبہ کتب خانہ کے رکن
... ادارہ پروفیسر جعفر نظام پروفیسر مغنی تبسم کی شخصی دلچسپی سے ایسا ممکن
ہو سکا۔ ادارہ کے یوم قلی قطب شاہ کی تقاریب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں
کئی مشاعروں کے معتمد رہے ۔ افتتاحیہ اجلاس میں نظمیں سنائیں۔ ادارہ کے ترجمان
ماہنامہ سب رس، میں ان کا کلام چھپتا رہتا ہے۔ شاعری سے پہلے سب رس میں
افسانے شائع ہوئے۔

اردو کے صف اول کے شاعر جگر مراد آبادی، جوش ملیح آبادی، فراق
گورکھپوری، آنند نارائن ملا کے علاوہ سجاد ظہیر، ساحر لدھیانوی، شکیل بدایونی
اور تمام ترقی پسند اور دور حاضر کے نامور شاعروں کے ساتھ مشاعرہ میں کلام سنا
چکے ہیں۔ فلم انڈسٹری کے بے تاج بادشاہ دلیپ کمار، سنیل دت کے علاوہ
مینا کماری، نرگس، نمی وغیرہ کی موجودگی میں مشاعرہ پڑھ چکے ہیں۔ ممتاز گلوکار
جگجیت سنگھ کے علاوہ ملک کے مشہور گلوکار ...... ان کی غزلیں، دوردرشن،
آل انڈیا ریڈیو اور بڑے بڑے پروگرامس میں ساز پر پیش کرتے رہتے ہیں۔

سیاست اخبار سے وابستہ ہونے سے پہلے روزنامہ نظام گزٹ اور ملاپ میں ادبی
صفحہ کے لئے تعاون کیا کرتے تھے۔ فلم ماڈل (سنہ ۱۹۹۶ء) کے لئے نغمے لکھ چکے ہیں۔
شاعروں، ادیبوں کی زائد از (۶۰) کتابوں کی اشاعت میں معاون رہے ہیں۔ محفل خواتین
(غزلوں کی رات) ادبی میگزین کی اشاعت کے سلسلے میں بھی تعاون رہا کرتا ہے۔

محفلِ خواتین کے ارکان فاطمہ عالم علی خاں، عزیز النساء صبا، فاطمہ تاج، مظفر النساء ناز کی محفلِ خواتین سے گہری وابستگی کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ترقی پسند مصنفین (۱۹۸۹ء) کانفرنس کے سلسلے میں شائع شدہ انجمن کے میگزین کے مدیر رہے ہیں۔ انجمن کے سکریٹری جناب راشد آزر کو ہمیشہ مخلص پایا۔ تا حال انکی اور ان سے متعلق (۱۹) کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ گورنر آندھرا پردیش شریمتی کمود بین جوشی نے اُردو گھر میں "خوشبو کا سفر" کی رسمِ اجراء انجام دی۔ جوبلی ہال میں عظمت عبدالقیوم فن اور شخصیت" (مرتب صلاح الدین نیر) کی رسم اجراء انجام دی۔ موجودہ گورنر آندھرا پردیش جناب کرشن کانت نے "یہ کیسا رشتہ ہے" کی رسم اجراء (۱۹۹۱ء) اُردو گھر مغل پورہ میں انجام دی۔ نویں مجموعۂ کلام "کیا کیا جائے" کی رسم اجرا (۱۹۹۵ء) میزبان کی حیثیت سے راج بھون میں انجام دی۔ مسٹر کے۔ ایل۔ گاندھی پرسنل اسٹنٹ گورنر آندھرا پردیش کا خلوص و تعاون اس محفل کے اہتمام میں شامل رہا۔ ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی، ڈاکٹر سید عبدالمنان اور پروفیسر جعفر نظام مہمانانِ خصوصی تھے۔ جناب رئیس اختر ناظم ادبی اجلاس تھے۔ ڈاکٹر نیلم سنجیوا ریڈی صدر جمہوریہ ہند جب پہلی دفعہ حیدرآباد آئے تو حیدرآباد و سکندرآباد کے شہریوں کی جانب سے پبلک گارڈن کے سبزہ زار پر شاندار پیمانے پر خیر مقدم کیا گیا تھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی نے تلگو میں اور جناب صلاح الدین نیر نے اُردو میں تہنیتی نظم سنائی تھی۔ نواب میر احمد علی خاں وزیر داخلہ حکومت آندھرا پردیش نے اُردو کے شاعر جناب صلاح الدین نیر کی نظم پروگرام میں رکھوائی تھی۔

پہلا مجموعۂ کلام "گلِ تازہ" ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ آخری مجموعۂ کلام "کیا کیا جائے"

(سنہ ۱۹۹۴ء) میں شائع ہوا۔ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے سنہ ۱۹۶۴ء میں سامعین کے ریڈیو پروگرام میں حیدرآباد میں پہلی دفعہ خاتون شعرا کا مشاعرہ ہوا تھا۔ اس وقت عزیز قریشی پروگرام اگزیکٹو تھے۔ ان کی خواہش پر نیر صاحب نے مشہور کئی شاعرات کے علاوہ بعض نئی شاعرات کو مدعو کرنے کے سلسلے میں اپنا مکمل تعاون دیا تھا انجم قمر سوز نے اور عذرا سعید نے نئی شاعرات کی حیثیت سے خوب داد پائی تھی۔ مشاعرہ کی صدارت ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے کی تھی۔ ماہنامہ خاتون دکن سے وابستگی کے بعد مدیر خاتون دکن" ان کی بہن صالحہ الطاف کی مشاورت نے ان کے ادبی سفر میں اہم کردار ادا کیا۔ تقریباً تمام کتابوں پر ملک کی اردو اکیڈیمیوں نے انعام سے نوازا ہے۔ ان کے پاس متعلقہ و غیر متعلقہ شاگردوں کی بھی فہرست ہے۔ صلاح الدین نیر محمود کے پہلے شاعر ہیں جنہیں تلگو کوی سمیلن میں چاہے حکومت کی جانب سے ہو کہ تلگو ادا مدد یا کی جانب سے ہو خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے۔ ایسے کوی سمیلن میں ڈاکٹر سی نارائن ریڈی زیادہ دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ راج بھون کی تقریباً تمام ادبی، تہذیبی تقاریب کے علاوہ جشن آزادی وغیرہ تقاریب میں مدعو رہتے ہیں۔ ہر دور کے حکومت کے سربراہ اور اعلیٰ عہدیدار سرکاری تقاریب میں مدعو کیا کرتے ہیں۔ تسمانیہ (آسٹریلیا) ریڈیو سے شریمتی شانتا مورتی نے ۱۰ر ڈسمبر سنہ ۱۹۹۰ء کو صلاح الدین نیر کی غزلیں سنائیں۔ تلگو کے انقلابی شاعر نکلیشور کے مجموعۂ کلام "چارسو سال کا شاہد میرا شہر" کی رسم اجراء انجام دی۔ رسم اجرا تقریب اردو گھر میں ہوئی تھی۔ دکن کرانیکل کی اشاعت ۱۸ر فروری سنہ ۱۹۹۴ء میں شریمتی منجو شری (سب ایڈیٹر دکن کرانیکل) نے انٹرویو شائع کیا۔ ہندی ملاپ میں مسٹر نستی نرائن سوادھین، سب ایڈیٹر ملاپ نے ۴ر فروری سنہ ۱۹۹۴ء انٹرویو شائع کیا۔

کرناٹک اُردو اکیڈیمی کے زیر اہتمام ٹیگوپہ (معین آباد) میں ۳۱ مارچ ۱۹۹۶ء کو جناب صلاح الدین نیرؔ کی صدارت میں کل ہند مشاعرہ ہوا۔ آل انڈیا ریڈیو گلبرگہ کی جانب سے منعقدہ کل ہند مشاعرہ کی بھی صدارت کی۔ ان دونوں مشاعروں کی صدارت کے لئے غالباً جناب عندلیب اور محب کوثر کی دلچسپی کو بڑا دخل رہا ہے۔ ناندیڑ کے کل ہند مشاعرہ کی بھی صدارت کی۔ (پروفیسر فہیم صدیقی کارفرما رہے)۔ سنٹرل لائبریری کھمم کی جانب سے ۲ نومبر ۱۹۸۲ء تلگو کے ممتاز شاعر ڈاکٹر داسرتھی کے ساتھ ساتھ صلاح الدین نیرؔ کا بھی سنمان کیا گیا۔ شنکر شاد دہلی، ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو دہلی کے مشاعرے کے علاوہ عالمی اُردو کانفرنس دلّی کے مشاعروں میں شرکت کی۔ آل انڈیا ریڈیو دہلی کے مشاعرہ میں، ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو جناب زبیر رضوی نے جناب صلاح الدین نیرؔ اور راشدؔ آذر کو مدعو کیا تھا۔ فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی نے "یہ کیسا رشتہ ہے"۔ اور "کیا کیا جائے" کے لئے گرانٹ منظور کی۔ ڈائرکٹر کشمیر ریڈیو جناب کبیر احمد کی ادب نوازی کی وجہ سے کشمیر ریڈیو سے کلام کے علاوہ ڈاکٹر صادق نقوی کا لکھا ہوا تبصرہ "صلاح الدین نیرؔ فن اور شخصیت" نشر ہوا۔ اور ان کا کلام ممتاز گلوکاروں نے ستار پر پیش کیا۔

حیدرآباد میں میناآباد سے آنے کے بعد پہلی سکونت محلہ ببری الاوہ (گھانسی بازار) میں رہی۔ پھر مغل پورہ میں کرایہ کے مکان میں رہے۔ پھر بازار روپ لال (سید علی چبوترا) میں اپنے ذاتی مکان میں رہے۔ گزشتہ (۸) برس سے اپنے ذاتی مکان ملے پلی میں رہتے ہیں۔ ان کے تمام لڑکے تعلیم یافتہ ہیں۔ بڑا لڑکا شمس الدین عارف ایم۔ایس۔سی (علیگڈھ) ریاض کی ایک کمپنی میں منیجر ہے۔

دوسرا لڑکا سراج الدین سلیم کا ذاتی ٹرانسپورٹ بزنس ہے۔ تیسرا لڑکا منہاج الدین خسرو ایک ورکشاپ کا مالک ہے۔ چوتھا لڑکا سعودی عرب مکہ میں ملازم ہے۔
حیدرآباد میں اردو، ہندی ملے جلے مشاعروں کو رواج دینے میں صلاح الدین نیّر کے ساتھ ساتھ نہپال سنگھ ورما بھی سرگرم عمل رہا کرتے ہیں۔
صلاح الدین نیّر کی ادبی سرگرمیوں، تصنیفات وغیرہ کی تفصیل اس طرح ہے۔

نام: صلاح الدین نیّر ۔ والد کا نام: الحاج محمد شمس الدین (خطیب جامع مسجد تعلقہ ہمناآباد)
مقامِ پیدائش: تعلقہ ہمناآباد۔ ضلع بیدر شریف۔ جس کا تعلق ریاستوں کی تقسیم (۱۹۵۶ء) سے پہلے حیدرآباد سے تھا۔

تاریخ پیدائش: ۲۵ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء

آبا و اجداد: زمیندار و تجارت پیشہ۔

حیدرآباد میں سکونت: سنہ ۱۹۴۸ء سے بہ سلسلہ اعلیٰ تعلیم حیدرآباد آئے تھے۔
اپنے ذاتی مکان نمبر 7/824-3-11، جدید ملے پلی ہاسٹم گراونڈ میں مقیم ہیں۔

فون نمبر: 220015 -

تعلیم:- میٹرک (مسلم یونیورسٹی علیگڈھ) پوسٹ گریجویشن (عثمانیہ یونیورسٹی)
اردو عالم، اردو فاضل (ادارۂ ادبیاتِ اردو) منشی فاضل (جامعہ نظامیہ)
ادیب کامل (جامعہ اردو علی گڑھ)۔

مطبوعات: مجموعۂ کلام ــ گلِ تازہ (۱۹۶۵ء)۔ زخموں کے گلاب (۱۹۷۲ء)
صنم تراش (۱۹۷۸ء)۔ شکن در شکن (۱۹۷۹ء)۔ خوشبو کا سفر (۱۹۸۳ء)

رشتوں کی مہک (۱۹۸۷ء) - سفر جاری ہے (۱۹۸۸ء) - یہ کیسا رشتہ ہے (۱۹۹۰ء) - کیا کیا جائے (مجموعۂ کلام) (۱۹۹۴ء) -

نثری مطبوعات: سلسلہ پھولوں کا (خود نوشت سوانح ۱۹۹۲ء) -
پھر وہی پرچھائیاں (مضامین، خاکے، سفرنامے وغیرہ ۱۹۹۳ء) - قافلے یادوں کے (المیہ تحریریں ۱۹۹۳ء) -

تالیف: عظمت عبدالقیوم - فن اور شخصیت (سنہ ۱۹۸۸ء)
عظمت خیاباں (عظمت عبدالقیوم - مضامین، افسانے، شاعری سنہ ۱۹۸۹ء)
صلاح الدین نیّر سے متعلق کتابیں: - قافلہ چلتا رہے گا - صلاح الدین نیّر فن اور شخصیت سنہ ۱۹۹۲ء - (از صالحہ الطاف و ڈاکٹر صابرہ سعید) نیّر گیتالو (سنہ ۱۹۶۵ء) (گُلِ تازہ کی منتخب غزلوں کا منظوم ترجمہ) مترجم شمس الدین کرول (تزئین کار ہیرالال موریا) -

اعزازات:

- "زخموں کے گلاب" اُتر پردیش اُردو اکیڈیمی ۱۹۷۳ء
- "شکستِ درشکن" آندھرا پردیش اُردو اکیڈیمی ۱۹۸۰ء
- "خوشبو کا سفر" اُتر پردیش اُردو اکیڈیمی، بہار اُردو اکیڈیمی، آندھرا پردیش اُردو اکیڈیمی ۱۹۸۴ء
- "رشتوں کی مہک" اُتر پردیش اُردو اکیڈیمی - بہار اُردو اکیڈیمی، اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش ۱۹۸۷ء
- "سفر جاری ہے" مغربی بنگال اُردو اکیڈیمی - اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش ۱۹۹۰ء

- "یہ کیسا رشتہ ہے" اُردو اکیڈمی آندھرا پردیش ۱۹۹۰ء
- "کیا کیا جائے" اُردو اکیڈمی آندھرا پردیش ۱۹۹۶ء

شعری، ادبی و تہذیبی خدمات کے اعتراف میں اعزازات

۱۔ پوئٹری ایوارڈ۔ آندھرا پردیش کلچرل اسوسی ایشن سکریٹریٹ ۱۹۶۷ء
۲۔ پوئٹ آف انٹگریشن ایوارڈ۔ ضلع گرندھالیہ سمستھا کھمم ۱۹۸۲ء
۳۔ یونیٹی ایوارڈ۔ یونائیٹیڈ ہندو مسلم فرنٹ حیدرآباد ۱۹۸۵ء
۴۔ نیشنل انٹیگریشن ایوارڈ۔ بھارتیہ کلچرل اکیڈمی۔ آندھرا پردیش ۱۹۸۸ء
۵۔ شانِ حیدرآباد ایوارڈ۔ حیدرآباد آرٹس اینڈ کلچرل سوسائٹی ۱۹۸۸ء
۶۔ قلی قطب شاہ ایوارڈ (مومنٹو) اولڈ سٹی یوتھ فیسٹول ۱۹۹۰ء
۷۔ مشاعرہ دکن ایوارڈ (مومنٹو) مجاہد آزادی گونڈہ لکشمن باپوجی ۱۹۹۰ء
۸۔ مشاعرہ دکن ایوارڈ (مومنٹو) " " " " ۱۹۹۱ء
۹۔ فخرالدین علی احمد قومی یکجہتی ایوارڈ ۱۹۹۱ء
۱۰۔ جیمس آف حیدرآباد ایوارڈ ۱۹۹۲ء
۱۱۔ تاسیس آندھرا پردیش گورنمنٹ ایوارڈ (کومی سمیلن) ۱۹۹۴ء
۱۲۔ بسٹ پوئٹ ایوارڈ۔ شاہانہ ایجوکیشن اسکیم۔ گولکنڈہ۔ ۱۹۹۴ء
۱۳۔ نیشنل یونیٹی ایوارڈ۔ (انیکتا میں ایکتا) ۱۹۹۵ء
۱۴۔ تلگو یونیورسٹی نے اُردو شعری خدمات کے اعتراف میں ۱۹۹۱ء ایوارڈ دیا۔ یہ ایوارڈ آندھرا پردیش میں پہلی بار اُردو شاعر کو ملا۔

مشاعروں کے سلسلے میں بیرونِ ملک کے دورے :-

۱۔ جدّہ میں مشاعرہ (حیدرآباد کے ۴۰۰ سالہ تقاریب ۱۹۹۰ء) جدہ میں مشاعرہ ۱۹۹۲ء

۲۔ دوحہ، قطر میں مشاعرہ (۱۹۸۸ء)۔ ریاض میں مشاعرہ (۱۹۹۰ء)۔ کویت میں مشاعرہ ۱۹۹۱ء۔ جدّہ میں مشاعرہ ۱۹۹۲ء

- زائد از ۳۵ سال سے کل ہند مشاعرے پڑھ رہے ہیں۔ زائد از ۳۵ سال سے آل انڈیا ریڈیو سے کلام سناتے ہیں۔ دوردرشن کے ریاستی پروگرام کے علاوہ نٹ ورک (قومی سطح) کے مشاعرے پڑھتے رہے ہیں۔

ادبی سرگرمیاں: ہندوستان و پاکستان کے تقریباً تمام ادبی رسائل میں گزشتہ ۳۰ سال سے کلام شائع ہو رہا ہے۔

- اُردو مجلس (انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش) کے ۱۸ برس تک جنرل سکریٹری رہے۔
- سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے ۲۷ سال (۱۹۶۹ء سے) بانی سکریٹری ہیں۔
- سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے ادبی رسالے کے مدیر رہ چکے ہیں (اس سے پہلے سکریٹریٹ میں کوئی اُردو رسالہ شائع نہیں ہوا۔)
- بزمِ سعدی کے قیام (۱۹۵۹ء) کے بانی شریکِ معتمد ہیں۔
- محفلِ خواتین کے اُس کے قیام کے زمانے ۱۹۷۰ء سے مشیر ہیں۔
- ایک ادبی رسالہ (ماہنامہ خاتونِ دکن ۱۹۶۲ء) کے دس برس تک مدیرِ اعزازی رہ چکے ہیں۔
- اتحاد الشعراء (۱۹۶۰ء) کے معتمدِ عمومی رہ چکے ہیں۔

- بزمِ جمیون (۱۹۶۰ء) کے معتمد رہ چکے ہیں۔
- روزنامہ 'سیاست' سے بہ زمانہ طالب علمی سنہ ۱۹۵۹ء سے وابستہ ہیں۔ (شعبۂ شاعری) کے انچارج ہیں۔
- قیامِ ادبی ٹرسٹ (سنہ ۱۹۷۶ء) سے ہی آفس سکریٹری کی حیثیت سے تاحال اعزازی کام کر رہے ہیں۔
- ادارۂ شعر و حکمت کے گزشتہ (۲۷) برس سے معتمد عمومی ہیں
- تلنگی یونیورسٹی میں اُردو ایم۔اے کورس کے سلسلے میں بورڈ آف اسٹڈیز کے رکن ہیں۔
- دیارِ ادب کے گزشتہ دس برس سے مشیر ہیں۔
- انجمن ترقی پسند مصنفین کے احیاء کے وقت سنہ ۱۹۸۷ء کے بعد سے ۵ سال تک شریکِ معتمد رہے ہیں۔
- 'میرا شہر میرے لوگ' کے گزشتہ (۷) برس سے بانی سکریٹری ہیں
- مشاعرہ دکن کے (۱۹۸۹ء) سے بانی سکریٹری ہیں۔
- سنہ ۱۹۹۳ء سے اُردو اکیڈمی آندھرا پردیش کے رکن ہیں۔
- جشنِ گولکنڈہ سوسائٹی کے قیام (۱۹۹۰ء) ہی سے شریک معتمد ہیں
- ایوانِ پرنس معظم جاہ شجیع کے جنرل سکریٹری ہیں۔ (۱۹۹۴ء)
- شنکر جی میموریل سوسائٹی کے زیرِ اہتمام منعقدہ مشاعروں کے ناظم ۱۵ برس تک معاون رہے ہیں۔
- ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کے سلسلے میں ان کی وابستگی ۳۰ برس رحبِ ہدایت سکریٹری ٹرسٹ

- زندہ دلان حیدرآباد سے ۱۹۶۶ء سے وابستہ ہیں۔ گزشتہ ۶ برس سے پروگرام کمیٹی کے کنوینر ہیں۔
- "شگوفہ" (طنز و مزاحیہ رسالہ) کی مجلس ادارت میں گزشتہ ۵ برس سے شامل ہیں۔
- زمانۂ طالب علمی بی۔او۔ال (اردو اورینٹل کالج) بزم اردو کے (۱۹۵۹ء) بلا مقابلہ صدر منتخب ہوئے۔
- آخری اردو فیسٹول (۱۹۶۰ء) میں بلا مقابلہ کنوینر و معتمد مشاعرہ منتخب ہوئے۔
- روزنامہ نظام گزٹ سے (۱۹۵۹ء) میں وابستہ رہے (ہفتہ داری اشعار کا انتخاب)
- اولڈ سٹی یوتھ فیسٹول کے جنرل سکریٹری (شعبۂ اردو) رہے۔
- تقریباً تمام صدور جمہوریۂ ہند کو کلام سنا چکے ہیں۔
- حکومت آندھرا پردیش کے اکثر ادبی و تہذیبی پروگراموں میں انکی شاعری شامل رہی ہے۔
- ایم۔اے، ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی۔ کے طلباء کے مقالوں کے سلسلے میں تعاون کیا کرتے ہیں۔ کچھ نئے اور کچھ پرانے شاعروں کو بھی مشورۂ سخن دیا کرتے ہیں۔
- شہر کی ادبی انجمنوں "میرا شہر میرے لوگ"، دیارِ ادب کے ادبی مذاکروں کے بانیوں میں سے ہیں۔
- شہر کے بھیانک فسادات (۱۹۹۲ء) کے دوران دور درشن سے ایمرجینسی حالات کے سلسلے میں امن کے لئے پیام دے چکے ہیں۔

مختصر یہ کہ گزشتہ ۳۵ برس سے زندگی کا بیشتر حصہ اردو زبان، اردو شعر و ادب کی سرگرمیوں میں گزر رہا ہے۔ ●●

فیضانِ رسولؐ جاری ہے

(مکّہ و مدینہ کی زیارت اور عالمی مشاعرہ)

یہ بات کوئی دو سال پہلے کی ہے کہ جدہ کی ایک مُخلص ترین، سرگرمِ عمل حرکیاتی شخصیت، عارف قریشی نے جدّہ سے فون پر کہا تھا کہ "نیّر بھائی! تیار ہو جائیے۔ آپ کو جدہ آنا ہے اور یہ بھی یاد رکھئے کہ مکہ مکرمہ و مدینہ منوّرہ کی سرزمینِ پاک ایسے ہی لوگوں کو قبول کرتی ہے جن کے لئے بلاوا آتا ہے"۔ سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے اُنہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ "انشاءاللہ اب کی بار "مشاعرۂ دکن" ہوگا۔ کوشش جاری ہے۔

اللہ کے فضل و کرم سے مجھے عالمی مشاعروں کے سلسلے میں تین دفعہ جدّہ جانے کا اتفاق ہوا۔ پہلی دفعہ ۱۹۹۰ء میں ۴۰۰ سالہ جشنِ حیدرآباد تقاریب کے سلسلے میں۔ دوسری دفعہ ۱۹۹۲ء میں عالمی مشاعرہ کے سلسلے میں (جو زیرِ اہتمام انڈیا ویلفیر سوسائٹی منعقد ہوا تھا) عارف قریشی کی شخصی دلچسپی کی وجہ ہی سے انڈیا ویلفیر سوسائٹی کی جانب سے ۲۶ ستمبر ۱۹۹۶ء کو عالمی مشاعرہ منعقد ہوا۔

۱۹۹۲ء میں منعقدہ مشاعرہ میں ہندوستان کی (۷) ممتاز شخصیتوں

۔نے شرکت کی تھی جس میں ملک کے گیارہ نامور شاعر بھی شامل تھے۔ حیدرآباد سے امیر احمد خسرو، صلاح الدین نیر اور رئیس اختر نے شرکت کی تھی۔ مشاعرے کے افتتاح کے لئے میرے مشورہ پر ممتاز قانون داں بیرسٹر سردار علی خاں کو مدعو کیا گیا تھا۔

۴۰۰ سالہ جشنِ حیدرآباد تقاریب میں حیدرآباد کی نامور شخصیتوں میں عابد علی خاں مدیر "سیاست"، سلطان صلاح الدین اویسی صدر کل ہند مجلسِ اتحاد المسلمین، ہاشم علی اختر وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جناب محبوب حسین جگر کے علاوہ کچھ اور ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی تھی۔ شاعروں میں صلاح الدین نیر، ڈاکٹر موہن لال نگم، علی الدین نوید، حمایت اللہ، مصطفےٰ علی بیگ، طالب خوندمیری، بوگس حیدرآبادی اور صبغت اللہ بمباٹ شامل تھے۔

۱۹۹۲ء کے مشاعرے کے بعد میں نے عارف قریشی کو مشورہ دیا تھا کہ اگر آپ آئندہ مشاعرہ کرنا چاہتے ہوں تو مشاعرۂ دکن کیجئے جس میں صرف حیدرآباد کے شعراء مدعو رہیں تاکہ وہ مشاعرے کے بہانے طوافِ خانہ کعبہ (عمرہ) اور دربارِ مصطفوی میں حاضری دے سکیں۔ مشاعرۂ دکن کے لئے حیدرآباد کے ۸۔۱۰ شاعروں کو مدعو کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ عارف قریشی نے جامعہ عثمانیہ کی پلاٹینیم جوبلی تقاریب کے موقع پر بزمِ عثمانیہ جدہ کی جانب سے دو روزہ تقاریب (ادبی اجلاس و مشاعرہ) کا خاکہ تیار کرکے کام شروع کر دیا تھا۔ یہ بھی طے پایا تھا کہ حیدرآباد سے ہاشم علی اختر، نواب شاہ عالم خاں، ڈاکٹر

سید عبدالمنان، ملاریڈی وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ، زاہد علی خان اور خلیل الرحمن
ایم۔پی کو مدعو کیا جائے۔ مشاعروں میں صلاح الدین نیرؔ، رئیس اخترؔ کے علاوہ
کچھ اور نام پیش نظر تھے۔ صرف قونصل جنرل انڈین ایمبیسی سے اجازت
لینی باقی تھی۔ تقاریب کی تیاری آخری مراحل میں داخل ہوئی تو جدہ
میں مقیم دو تین اصحاب نے بزم عثمانیہ جدّہ کے مقابل ایک نئی
انجمن بزم عثمانیہ جدہ کے نام سے قائم کرکے قونصل جنرل جدہ سے
خواہش کی کہ وہ اپنی نوزائدہ بزم کو تقاریب منعقد کرنے کی اجازت دیں
ان لوگوں کی بیجا مداخلت سے تنازعہ پیدا ہوگیا جس کی وجہ سے بات
مزید آگے نہ بڑھ سکی۔ نتیجتاً دونوں انجمنوں کے ذمہ داروں کو اجازت سے
محروم رکھا گیا۔ اس فیصلہ نے عارف قریشی کو زبردست نقصان پہنچایا۔ ان کا کافی
روپیہ خرچ ہوچکا تھا۔ لیکن اُنھوں نے ہمت نہیں ہاری۔ پھر تازہ دم ہوکر
۱۹۹۶ء میں سرگرم عمل ہوگئے اور عالمی مشاعرہ کے انعقاد کی تیاریاں
شروع کردیں۔ اس وقت بھی بقول عارف قریشی، حیدرآباد کے بعض
کرم فرماؤں نے رکاوٹ بننے کی ناکام کوشش کی لیکن عارف قریشی
اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ شاندار پیمانے پر مشاعرہ ہوا۔ انتظامیہ
کی جانب سے مشاعرہ کی تاریخیں بدلتی رہیں۔ بالآخر ۲۶ر ستمبر ۱۹۹۶ء
کو مشاعرہ کی قطعی تاریخ مقرر ہوئی۔ مخفی مباد کہ ۱۸ر جنوری ۱۹۹۶ء کو جدّہ
میں ہندوستانی قونصلیٹ جنرل کی جانب سے عالمی مشاعرہ ہونے والا تھا
لیکن کوئی وجہ ظاہر کئے بغیر وہ مشاعرہ اچانک ملتوی ہوا۔ اس مشاعرے

کے انعقاد میں جناب اوصاف سعید (فرزند ممتاز افسانہ نگار عوض سعید مرحوم) قونصل جج کی دلچسپی کو بڑا دخل تھا۔ حیدرآباد سے اُس مشاعرہ میں صلاح الدین نیّر بھی مدعو تھے۔

۲۶ ستمبر ۱۹۹۶ء کو انڈیا ویلفیر سوسائٹی جدہ کی جانب سے جناب عارف قریشی کی سرکردگی میں عظیم الشان پیمانے پر عالمی مشاعرہ منعقد ہوا۔ حیدرآباد سے اس مشاعرہ میں رئیس اختر اور صلاح الدین نیّر نے شرکت کی۔ یو پی کے شاعروں میں بیکل اتساہی، نواز دیوبندی، اور پاپولر میرٹھی مدعو تھے۔ تقلین حیدر (کلکتہ) ناظم مشاعرہ تھے۔ اس مشاعرہ کے سلسلے میں عارف قریشی کو قونصل جج جدہ، جناب ذکرالرحمٰن کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔ عارف قریشی اور اُن کے رفقائے کار عتیق الزماں، اقبال اشرف قدوائی، عبداللطیف، پرویز احمد خاں، اقبال خاں، عشرت حسین صدیقی، سید عبدالعظیم اور مظہر التمش پیش پیش رہے۔

عارف قریشی نے عمرہ ویزا کی ساری ذمہ داری مجھے سونپی تھی۔ مدعو شعرا سے ٹیلیگرام، خطوط اور ٹیلیفون کے ذریعہ ربط رکھا گیا۔ ایک ماہ کے درمیان عارف قریشی نے بیسیوں فون کئے۔ اُن کے فون اکثر دفعہ رات کے ایک دو بجے کے درمیان آتے تھے۔ کبھی کبھی وہ گھر اور "سیاست" آفس بھی فون کرتے تھے۔ صورتحال سے واقف کرواتے اور واقف ہوتے رہتے تھے۔ میں نے متعلقہ شعراء سے پاسپورٹ منگوا لئے۔ ویزے کی ساری ذمہ داری آل یسین ٹراویل ایجنسی کے خوش اخلاق شریف النفس مالک

محمد غوث نے قبول کی۔ بغیر کسی اُلجھن کے مشاعرہ کی مقررہ تاریخ سے قبل ویزے مل گئے۔ میں اور رئیس اختر مشاعرے سے ایک دن پہلے بمبئی سے جدہ جانا چاہتے تھے لیکن عارف قریشی کی خواہش پر ہم ۲۱ رستمبر کو دلی پہونچے۔ دلی میں جناب بیکل اتساہی کے مہمان رہے۔ ایسا انتظام عارف قریشی نے کیا تھا۔

مشاعرہ میں جب اپنی شرکت یقینی ہوگئی تو عمرہ (طوافِ خانۂ کعبہ سعی) اور مدینہ منورہ میں بارگاہِ رسالت مآبؐ میں پہونچنے کی دل میں خواہش پیدا ہوئی۔ بارگاہِ رب العزت میں سر بہ سجود ہوا۔ رسول پاکؐ کی کرم نوازیوں کو دل و نظر میں بٹھا کر کیف آور کیفیات سے گزرتا رہا۔ مجھے یقین واثق ہو چلا ہے کہ میں نبی کریمؐ کی نظروں میں ہوں۔ خدا مجھ پر پوری طرح مہربان ہے۔ ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑی کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کی سرزمین پر موجود رہے۔

مشاعرہ کی تاریخ کا تعین ہونے کے بعد میں نے اپنے خاص خاص دوستوں کو مشاعرہ میں مدعو کئے جانے کے بارے میں بتلایا۔ اخبارات میں مشاعرہ میں شرکت کی خبریں شائع ہوئیں۔ حیدرآباد سے روانہ ہونے سے پہلے میرے شاعر دوستوں قاضی انجم عارفی، پرنس شہامت جاہ، مومن خاں شوق، مانی منظور، ڈاکٹر راہی، افضل تسلیم، شفیع اقبال اور ساقی ایوبی نے امام مقامی

باندھے اور چکلو بستی کی۔ جگجیون لال استھانہ سحرؔ اور بشیر امعید نے بھی چکلو بیعی کی۔ میری منہ بولی بہن صالحہ الطاف، ڈاکٹر صابرہ سعید، انیس قیوم فیاضی اور مظفر النسا ناز نے فون پر مبارکباد دی۔ روانگی سے ایک دن پہلے ایک بہن شمشاد نے بھی امام ضامن باندھا۔ روانہ ہونے سے عین قبل میری بیٹیوں، بہوؤں نے بھی امام ضامن باندھا۔

اخبارات کے ذریعہ مشاعرہ میں ہماری شرکت کی اطلاع پاکر کچھ اور احباب اور رشتہ داروں نے مسّرت کا اظہار کیا۔ میرے دیرینہ شاعر دوست نانک سنگھ نشترؔ نے فون پر کہا کہ آپ ایک مقدس مقام (مکہ و مدینہ) بھی جا رہے ہیں اسلئے میری خواہش ہے کہ میں آپ کو اور رئیسؔ اختر کو اپنی کار میں ائیرپورٹ پر چھوڑ دوں۔ اس طرح ایک اور شاعر دوست جگجیون لال استھانہ سحرؔ نے بھی خواہش کی تھی، لیکن میں نے اُن سے معذرت چاہی چونکہ نشترؔ صاحب سے پروگرام بن چکا تھا۔ نشترؔ صاحب ½۷ بجے صبح میرے گھر آئے۔ تب تک رئیسؔ اختر بھی آچکے تھے۔ ائیرپورٹ پر صلاح الدین نیرؔ، رئیسؔ اختر کے فرزندوں نے بھی خدا حافظ کہا۔

۲۱ ستمبر کی صبح ۹ بجے کی فلائٹ سے ہم دلی کے لئے پرواز کر گئے۔ شہرِ محبت حیدرآباد کو چھوڑنے سے قبل میں نے چاروں طرف اپنی نگاہیں دوڑائیں بعض مقامات پر نگاہیں جم گئیں۔ اپنی زمین کی خوشبوؤں سے لپٹی ہوئی مٹی کو

میں نے چھوا اور اپنا دعا ئی سلام کیا۔

عارف قریشی کی خواہش پہ دلی میں ہم جناب بیکل اتساہی کے مہمان رہے
دلی میں دو روزہ قیام کے دوران ہم نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت امیر خسرو کے
دربار میں حاضری دی۔ بڑا سکون ملا۔ بزرگانِ دین کے قدموں میں بیٹھنے سے بھی
بڑا سکون ملتا ہے۔

۲۱ ستمبر کی شام دلی میں مقیم اپنے حیدرآبادی قدیم دوست ممتاز
محقق، نقاد، ادیب و شاعر جناب ابوالفیض سحرؔ ہم سے ملنے کے لئے آئے۔ اپنی موٹر
میں بٹھایا اور دلی کی سیر کروائی۔ نئی پرانی بہت سی باتیں رہیں۔ جی کھول کر اپنی اپنی
سرگزشتِ حیات کا ایک ایک ورق اُلٹایا گیا۔

۲۲ ستمبر کی شب نواز دیوبندی، پاپلر میرٹھی اور ثقلین حیدر بیکل اتساہی
کی رہائش گاہ واقع رنجیت مارگ (نئی دہلی) پہونچ گئے۔ ۲۳ ستمبر کی صبح ۶ بجے
صلاح الدین نیرؔ کی رہنمائی میں شعراء کا قافلہ جدّہ کے لئے روانہ ہوا۔ ۴½ گھنٹہ
کی مسافت طے کرنے کے بعد ہندوستان کے وقت کے مطابق ۱۲½ بجے دن جدّہ
پہنچے۔ رئیس اختر کی اور میری نشست ساتھ ساتھ تھی۔ دورانِ سفر اپنی اور
پرائی بہت سی باتیں رہیں۔ نہایت اطمینان کے ساتھ سفر جاری رہا۔ جب ہم
دلی سے، جدّہ جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے تو بیکل اتساہی نے ہم دونوں کو

مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ دونوں حیدر آبادی، اپنی پوری تہذیبی شناخت کے ساتھ مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں ــــ شاعرانہ لباس (شیروانی۔ پاجامہ) زیب تن کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ آپ دونوں شاعرانہ روایت کے ساتھ ساتھ حیدر آباد کے کلچر کی نمائندگی بھی کرتے ہیں ــــ جدّہ ایئر پورٹ پر عارف قریشی کے علاوہ ان کے رُفقائے کار عتیق الزماں، اقبال خاں، عبداللطیف، پروفیسر احمد، اقبال اشرف قدوائی، نے پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ ہم تمام شاعروں کو عارف قریشی اپنے گھر لے گئے

ہمارا وہیں قیام رہا ــــ

۲۳ ستمبر کی شب قونصل جج جناب ذکر الرحمٰن نے اپنی رہائش گاہ پر ہمیں مدعو کیا۔ پریس کانفرنس کا انتظام کیا گیا تھا۔ جس کے بعد ایک پُر تکلف ڈنر ترتیب دیا گیا۔ مقامی اخبارات کے رپورٹر موجود تھے۔ ہم شاعروں کا انٹرویو لیا گیا۔ اُردو مسائل پر گفتگو رہی۔ ہم نے (صلاح الدین نیّر، رئیس اختر) حیدر آباد میں اُردو مسائل اور خاص طور پر عابد علیخاں ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر اہتمام منعقد کیئے جانے والے اُردو دانی، زبان دانی اور انشاء کے امتحانات کے سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ریاست آندھرا پردیش میں اُردو کے مسئلہ پر حکومت کی کارکردگی کے بارے میں بتلایا۔ ہمارے تاثرات انٹرویو کی شکل میں مقامی اخبارات میں شائع ہوئے۔

۲۴ ستمبر کو لنچ کے بعد انڈین ایمبیسی کی موٹر میں ہم لوگ نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمیں انڈین ایمبیسی کے گیسٹ ہاوز میں ٹھیرایا گیا۔ طوافِ خانہ کعبہ کے بعد خدا سے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بہت کچھ مانگا۔ خانہ کعبہ سے دیر تک لپٹے رہے۔ آنسو بہتے رہے۔ ایسے عالم میں خاندان کے ہر فرد، دوست و احباب سبھوں کی بہتری کے لئے خدا سے رحم وکرم کی بھیک مانگی۔ کاسۂ تہی، خالی دامن کے بھر جانے کے لئے منت وسماجت کی۔ حجرِ اسود کو چوما۔ سعی کی اس طرح عمرہ کی تکمیل ہوئی۔

۲۵ ستمبر کو نمازِ عصر کے بعد ہم جدہ واپس ہوئے۔ ۸ بجے شب ذہانت علی بیگ سے ملاقات کے لئے عارف قریشی ہمیں اُردو نیوز کے دفتر لے گئے۔ ذہانت علی بیگ، عالمِ مسرت میں ہم سے بغلگیر ہوئے۔ اُردو نیوز کے ایڈیٹر اور تمام اسٹاف سے فرداً فرداً ملوایا۔ ہم نے محسوس کیا کہ ذہانت علی بیگ ایک باوقار، ذمہ دار صحافی کی حیثیت سے اپنا مقام بنا چکے ہیں۔ یہ بات مجھے اُردو نیوز کے ادبی سکیشن کے انچارج اطہر ہاشمی نے بتائی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اخبارِ سیاست کا تربیت یافتہ ایک نوجوان صحافی اپنی عمدہ صلاحیتوں کی وجہ سے اپنے تمام ساتھیوں میں قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے ذہانت علی بیگ نے ہم دونوں (صلاح الدین نیر۔ رئیس اختر) کا اُردو نیوز میں تفصیلی انٹرویو تعارف کے ساتھ شائع کیا۔ ہمارے اعزاز میں ادبی محفل کا اہتمام کیا گیا۔ جدہ ریڈیو سے شعر وادب کا پروگرام ریکارڈ کر لیا اور واپسی کے وقت تحائف سے نوازا۔

۲۵ ستمبر کو جدّہ ریڈیو (اُردو سیکشن) کے سربراہ جناب محمد لئیق اللہ خاں نے انٹرویو لیا۔ ۴۵ منٹ کے "آپ سے ملئے" اس پروگرام میں صلاح الدین نیّر نے ایک حمد، ایک نعت اور تین غزلیں سُنائیں۔ عابد علی خاں ایجوکیشنل ٹرسٹ اور ریاست آندھرا پردیش کے اُردو مسائل پر اظہارِ خیال کیا۔ یہ پروگرام ۸ اکٹوبر کو ۱/۲ ۵ بجے شام ہندوستانی میں سٹارٹ وے ۱۹ امیٹر بیانڈ پر سُنا گیا۔ میرے بعد رئیس اختر کا کلام و انٹرویو ریکارڈ کیا گیا۔

اخبارِ سیاست کے قدیم ساتھی میر کرامت علی جو جدّہ میں گزشتہ بیس برس سے مقیم ہیں، امریکن کمپنی میں اچھے عہدہ پر فائز ہیں، جب بھی فون کرتے تو یہی کہتے کہ عمرہ کے لئے کب چلنا ہے۔ حاضر ہو جاؤں گا۔

۲۵ ستمبر کو ہم نمازِ عصر کے بعد جدہ واپس ہوئے۔ ۲۶ ستمبر کی شب احاطۂ انڈین ایمبیسی کا عظیم الشان پیمانے پر عالمی مشاعرہ ہوا۔ جناب بیکل اتساہی صدرِ مشاعرہ تھے۔ اس مشاعرہ میں جناب بیکل اتساہی، صلاح الدین نیّر، رئیس اختر، نواز دیوبندی، پاپلر میرٹھی کے علاوہ میزبان شعراء اعتماد صدیقی، منور النساء منورؔ، عرفان بارہ بنکوی، ناظر قدوائی، شاہد انور، حسن عسکری اور رحمی فریدی نے اپنا بہترین منتخب کلام سُنا کر داد و تحسین حاصل کی۔ رئیس اختر اور صلاح الدین نیّر عموماً کل ہند مشاعروں صرف ایک غزل ہی سُنایا کرتے ہیں لیکن اس مشاعرے میں ۴ قطعات، دو دو غزلیں سنائیں۔ زبردست داد و تحسین سے نوازا گیا۔ تمام شعراء کا تالیوں کی گونج میں خیر مقدم کیا گیا۔

مشاعرے کے کنوینر جناب عارف قریشی نے صدر مشاعرہ کے بعد مسرز صلاح الدین نیر اور رئیس اختر کو بلوایا تالیوں کی گونج میں حیدرآباد کے یہ دو شاعر شہ نشین پر پہنچے اور صدر مشاعرہ کے دائیں بائیں اپنی نشست سنبھالی۔ مشاعرہ میں زائد از ایک ہزار خواتین و حضرات نے شرکت کی۔ مشاعرے کے بعد جناب سعید بن محسن باغزال، احمد الدین اویسی، میر کرامت علی کے علاوہ کچھ اور حیدرآبادیوں سے ملاقات رہی۔ وہ ہم سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ مشاعرے کے اختتام کے بعد کافی دیر تک ہم مشاعرہ گاہ میں ٹھہرے رہے۔ آٹوگراف کا سلسلہ چلتا رہا۔ واقف ناواقف کئی حیدرآبادیوں سے ملاقات ہوئی۔ حیدرآبادیوں کی اس بھیڑ میں وہ حیدرآبادی دکھائی نہیں دیئے جو ایسے مواقع پر پیش پیش رہا کرتے ہیں۔ ۲۷ ستمبر کو دن بھر ہم نے آرام کیا۔ حیدرآباد کے شاعر اعتماد صدیقی، مہتاب قدر اور معور النساء متعلقہ ہم سے ملنے کے لئے آئے ــــــ شہر کی ایک اچھی ہوٹل میں منتظمین مشاعرہ نے عشائیہ دیا۔

۲۸ ستمبر لنچ کے بعد انڈین ایمبیسی کی کار میں ہم مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جیسے جیسے سرزمین پاک مدینہ منورہ کے قربت کا احساس بڑھتا جا رہا تھا ہم ایک خاص کیفیت سے گزرتے رہے۔ جدہ سے مدینہ کی مسافت ذریعہ کار ۴½ گھنٹے ہے۔ ہم جیسے ہی مدینہ میں داخل ہوئے ہماری نگاہیں گنبد خضرا کے دیدار کے لئے بے قرار رہیں۔ مدینہ بھی مکہ کی طرح روشنیوں کا شہر ہے۔ فیوض و برکات کا شہر ہے۔

ہر طرف اُجالا ہی اُجالا ہے۔ کس قدر منور شہر ہے یہ! ہم نے مدینہ جاتے ہوئے اُن پہاڑوں پر بھی نظر ڈالی جس پر سے خدائے واحد کا نام لینے والے اور نبی کریم صلعم کی محبت میں سرشار لوگ گزرتے رہے ان ہی پہاڑوں اور راستوں سے گزرتے ہوئے اُنھوں نے بڑی بڑی جنگیں لڑی تھیں۔ اِن ہی راستوں سے خدا کے رسول صلعم نے مکہ سے مدینہ کیلئے ہجرت کی تھی۔

جب ہم مدینہ میں داخل ہوئے تو اُس وقت نماز مغرب کا وقت تھا۔ ہم نے مسجد قُبا میں نماز پڑھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس مسجد میں پڑھی جانے والی دو رکعت نفل عمرہ کے برابر ہے۔ نماز کے بعد ہم انڈین ایمبسی کے گیسٹ ہاؤس پہنچے جو مسجد نبوی صلعم کے قریب ہی واقع ہے۔ ایمبسی کے اسٹاف نے ہماری خاطر داری میں کسی قسم کی بھی کمی نہیں کی۔ تین بجے شب تہجد کی نماز کے لیے جگایا گیا۔ ۳½ بجے کے لگ بھگ ہم مسجد نبوی پہنچے۔ مسجد نبوی کے دروازے ۴ بجے صبح کھل جاتے ہیں۔ گنبد خضرا کے بالکل سامنے ہم بیٹھے رہے دیدار گنبد خضرا کرتے رہے۔ ہم نے دیکھا کہ غلامانِ مصطفےٰ صلعم بھاگتے ہوئے مسجد نبوی میں داخل ہو رہے ہیں اور وہ بالکل گنبد خضرا کی جالی کے قریب بیٹھ گئے ان کی تقلید میں بھاگتے ہوئے ہم بھی گنبد خضرا کی جالی کے بالکل قریب بیٹھ گئے۔ تہجد کی نماز پڑھی تلاوت کلام پاک کے بعد ہم نے نماز فجر پڑھی۔ سرور کائنات کے قدموں میں بہ چشم نم بیٹھے رہے۔ رحمت کی بارش ہوتی رہی۔ خالی دامن تھا، بھرتے رہے۔ بہت کچھ پایا۔ رسالت مآب صلعم نے بہت کچھ دیا۔ نماز

کے بعد ہم جنت البقیع پہنچے۔ وہاں سے گیسٹ ہاؤز واپس ہوئے۔ کچھ دیر آرام کیا۔ ناشتہ کے بعد مدینہ شریف کے بعض اہم مقامات کے دیدار کے لئے ہمیں لے جایا گیا۔ ظہر کی نماز مسجد نبوی میں پڑھی۔ ظہر اور عصر کے درمیان کچھ شاپنگ کی۔ جائے نماز و تسبیح خریدی۔ کھجور اور کچھ اشیاء لے لئے۔ جب ہم سے مدینہ چھوٹ رہا تھا تو جی نہیں کرتا تھا کہ ہم مدینہ کو چھوڑ کر جائیں۔ کافی دیر تک رسولؐ اللہ کی رحمتوں سے دامنِ مراد بھرتے رہے۔ سرورِ کائناتؐ کے دربار میں ہم نے اپنا اپنے اہلِ خاندان اور اپنے احباب و اقارب کا آخری سلام پیش کیا۔ ۲۹ ستمبر کو بعد نمازِ عصر ۵ بجے شام ہم مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ۹ بجے شب جدّہ پہنچے۔ جیسے ہی ہم گھر پہنچے ہمارے ساتھی شعراء اپنے دوستوں کے ہمراہ چلے گئے۔ واپسی تک اُن کا وہیں قیام رہا۔ عارف قریشی نے صلاح الدین نیّر اور رئیس اختر کو اپنے پاس رکھا۔ عارف قریشی اور اُن کی بیگم صاحبہ نے اپنے بھائیوں کی طرح ہمارا خیال رکھا۔ ہر قسم کا آرام مہیا کیا تھا۔

۳۰ ستمبر کو حیدرآبادی تہذیب کی نمائندہ شخصیت سعودی عرب کے شہری جناب سعید بن محسن باغزال نے پُر تکلف عشائیہ دیا۔ عشائیہ سے قبل عارف قریشی اور عبداللطیف نے ہمیں شاپنگ کروائی۔ ۸ بجے کے قریب ہم سعید بن محسن باغزال کے ہاں پہنچے۔ باغزال صاحب مجلسی آدمی ہیں۔ خوش مزاجی اِن کی فطرت کا ایک اہم جُزو ہے۔ دلچسپ باتیں ہوتی رہیں۔ شعر و ادب کے ساتھ قدیم حیدرآباد کی باتیں ہوتی رہیں۔ عابد علی خاں صاحب

محبوب حسین جگر صاحب اور اخبارِ سیاست کا تذکرہ دیر تک جاری رہا ایک بجے شب ہم نے باغزال صاحب سے اجازت لی۔

یکم اکٹوبر کو شب قونصل جج ذکرالرحمٰن نے نہایت پُرتکلف ڈنر دیا۔ جدہ کی منتخب شخصیتیں مدعو تھیں۔ ڈنر کے بعد مشاعرہ ہوا۔ مشاعرہ کی صدارت جناب بیکل اتساہی نے کی۔ اس منتخب اور خالص ادبی مشاعرہ میں صلاح الدین نیّر اور رئیس اختر نے متفرق اشعار کے بعد دو، دو غزلیں سُنا کر مشاعرہ کی کیفیت ہی بدل دی۔ خوب خوب سراہا گیا۔ بیکل صاحب، نواز دیوبندی، پاپولر میرٹھی نے بھی کلام سُنا کر داد و تحسین حاصل کی۔ جناب ثقلین حیدر ناظم مشاعرہ تھے۔ جناب ڈاکٹر ذکرالرحمٰن اور عارف قریشی نے شعراء اور مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ تین گھنٹے تک یہ محفل شعر و سخن جاری رہی۔ باذوق خواتین و حضرات نے شرکت کی۔ جناب سعید بن محسن باغزال نے مخاطب کرتے ہوئے خاص طور حیدرآباد کے شاعروں کی پذیرائی پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔

۲ اکٹوبر کو ۲/۱ ۲ بجے جناب سعید بن محسن باغزال اپنی نئی موٹر میں جو ۱۰ لاکھ ۵۰ ہزار (انڈین کرنسی) کی مالیت کی ہے ساس ید عارف قریشی کے گھر آئے۔ مجھے اور رئیس اختر کو عمرہ کے لئے لے گئے۔ یہ ہمارا دوسرا عمرہ تھا۔ عمرہ کے بعد آخری طوافِ خانہ کعبہ کیا۔ نمازِ عصر کے بعد باچشم نم مسجدِ حرم سے باہر نکل آئے ۶ بجے شام جدہ پہنچے۔ کرامت علی ۷ بجے شام گھر آئے۔ دو گھنٹہ تک جدہ کی سیر کرائی۔ عارف قریشی نے اپنے دوست اظہر ہاشمی انچارج اُردو نیوز اور ادبی سیکشن حیدرآباد کے جواں سال صحافی سب ایڈیٹر اُردو نیوز جناب ذہانت علی بیگ

کو عشائیہ پہ مدعو کیا تھا۔ ہم لوگ عشائیہ کے بعد جناب مصطفیٰ کمال پاشا کی قیام گاہ پہنچے جہاں مہمان شعراء کے استقبال میں مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس مشاعرے میں پاکستان کے شعراء نے بھی کلام سنایا۔ ہم نے یہ محسوس کیا کہ ہندوستان اور پاکستان کی شاعری میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ پاکستان کے شعراء نے بھی اچھا رنگ جمایا۔ ہم نے بھی حسبِ روایت کلام سنا کر مشاعرہ کو یادگار بنا دیا اور اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔

۳؍ اکٹوبر کو ہم وداع ہونے والے تھے۔ کرامت علی ہمارے ہمسفر رہے ہمارا ٹکٹ جدّہ سے دلی، دلّی سے حیدرآباد کا تھا۔ لیکن ہم جدّہ سے دلی، دلی سے بمبئی اور بمبئی سے حیدرآباد جانا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں عارف قریشی اور کرامت علی کی کوششیں رنگ لائیں۔

عارف قریشی کی کرم فرمائیوں نے ایئرپورٹ کے تمام مراحل اپنی موجودگی میں طے کروائیں۔ نہایت پُرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے ہم کو خدا حافظ کہا۔ دل سے دعائیں نکلیں کہ عارف قریشی نے ہمارے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ عارف قریشی نے ایسا احسان کیا ہے کہ اظہارِ تشکر کیلئے الفاظ نہیں ملتے۔ مشاعرہ تو ضمنی تھا مشاعرے کے بہانے مکہ، مدینہ کی نعمتیں نصیب ہوئیں۔ ہم بغیر کسی الجھن کے ۲/۱ ۲ بجے شب حیدرآباد پہنچے۔ واپسی کے سفر میں بھی رئیس اختر اور صلاح الدین نیر کی نشست ایک ساتھ ہی تھی۔ حیدرآباد میں کسٹم کا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ ہم دونوں کی وی۔آئی۔پی۔ قسم کی شیروانیوں نے کسٹم آفیسرس کو متاثر کیا۔ انہوں نے ہمارا سامان چیک نہیں کیا اور مسکراتے ہوئے ہمیں جانے کے لئے کہا۔

البتہ پیاگیج کے حصول کے لئے دو گھنٹے لگے۔ چونکہ اُس پلین میں جدّہ کے علاوہ ریاض، شارجہ، دوحہ قطر کے مسافروں کا سامان تھا۔ ایئرپورٹ پر رئیس اختر کے ایک عزیز سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے ہم دونوں کو گھر پہنچا چھوڑ دیا۔ اہلِ خاندان کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد اپنے نام آئے ہوئے خطوط پڑھے ۱۴ دن کے اخبارِ سیاست پر سرسری نظر ڈالی۔ اس کے بعد پھر وہی صبح و شام ــــ ٹھیک ۲/۱-۱۰ بجے صبح سیاست آفس پہونچا۔ اس طرح ہمارا ۱۳ دن کا خوشگوار سفر اختتام کو پہنچا۔ ●●

حیدرآباد کی میری زندگی، رشتوں کی دھوپ چھاؤں میں گزری ہے۔ کچھ رشتے تو میری زندگی کے لئے جزو کُل کی حیثیت رکھتے ہیں، تو کچھ رشتے معطّر فضاؤں کی طرح دل و جان کا حصّہ بن چکے ہیں اور کچھ رشتے اپنی شناخت اور پہچان کے لئے معاشرے کی ریشمی ڈوری میں بندھے ہوئے ہیں۔ ان تمام بنتے سنورتے، ٹوٹتے اور بکھرتے رشتوں کے باوجود رشتوں کی مہک، ربط و ضبط کی پاکیزگی، جذبات کی شائستگی، تقدس اور وارداتِ قلبی کی ماہیت میں کچھ فرق نہیں آیا۔ زندگی کے بعض ایسے روشن پہلو بھی ہوتے ہیں جن کی اپنائیت اور رشتہ داری سے بھی انسانی رشتے لازوال ہو جاتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض رشتے اپنی شناخت کے لئے اپنے ہی ماحول میں برسوں اپنی تلاش جاری رکھتے ہیں۔

(سلسلہ پھولوں کا) ●●

"راج بھون" گورنر آندھرا پردیش (جناب کرشن کانت) اور صلاح الدین نیر

جس شخص کی ہر صبح کا آغاز مسجدوں کی اُبھرتی ہوئی دلنشین اذانوں اور مندروں سے گونجتی مدھر گھنٹیوں کی آواز کے درمیان ہوتا ہو اور جس شخص کی شام شفقتِ لالہ زار اور جس کی شب کہکشاں کے سائبان تلے ہوتی ہو اُس کے شب و روز کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کن کن نعمتوں سے مالامال ہے۔ جس شخص کے بہترین اوقات انسان کی بہتری سماج سُدھار اور معاشرے کے خدوخال کو سنوارنے میں گزرتے ہوں اُس کی انسان دوستی، صبحِ صادق کی مانند زرفشاں اور روزِ روشن کی طرح نورافشانی کا مظہر ہوا کرتی ہے جو شخص نیکی کی راہ پہ چلتے ہوئے نت نئے مسائل کا خیر مقدم کرتا ہو، محبت شناسی کا درس دیتا ہو، احساسِ رواداری کو آئینۂ نور کے مرحلوں سے روشناس کراتا ہو اُس کی زندگی کا ہر لمحہ پیرہنِ گُل کی طرح عطر بیز، فرحت افزاء اور نئے موسم کی انگڑائیوں سے فیض پاتے ہوئے گُلِ تازہ کی طرح مہکتا رہتا ہے۔ ایسے ہی بے شمار اعلیٰ خصوصیات کی حامل شخصیت جناب کرشن کانت کی ہے۔

گورنر صاحب باذوق، شائستہ مزاج، ہنس مکھ، سادگی پسند انسان ہونے کے علاوہ انسان دوستی اور محبت شناسی کے ایک ایسے پیکر ہیں جو مسرتیں تقسیم کرنے اور راحتیں بانٹنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ایک مدبّر، دانشور، پکّے حب الوطن اور بنیادی طور پہ انسانیت دوست کی حیثیت کے مالک ہیں۔ سماج کا ہر وہ شخص جس کی

حیثیت اعلیٰ ہو کہ ادنیٰ اُس کا خوش دلی کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں۔ ان کا مزاج شائستگی
شگفتگی، سادگی اور پُر وقار کیفیات کا مجموعہ ہے۔ کن کن خصوصیات کا ذکر کیا جائے۔
گورنر صاحب کی توصیف میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

گورنر صاحب سے راج بھون میں مجھے پہلی مرتبہ جناب عابد علی خاں مدیر سیاست
کی معرفت نیاز حاصل ہوا۔ اکادمی کی ایک تقریب تھی۔ ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی کی
مشاورت سے تلگو، اردو، ہندی کے شعراء ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی، صلاح الدین نیر
نہال سنگھ ورما، ڈاکٹر اندو وشسٹ مدعو کئے گئے تھے۔ ہم نے اکادمی کے موقع
پر نظمیں سنائیں۔ اکادمی کی اس تقریب میں ریاستی چیف منسٹر مسٹر ایم چنا
ریڈی کے علاوہ تقریباً تمام وزراء، اعلیٰ عہدیدار، ممتاز قائدین اور مختلف شعبہ
حیات سے تعلق رکھنے والی منتخب شخصیتیں موجود تھیں۔ اس موقع پر گورنر صاحب
نے شعراء کو شال اوڑھا کر اُن کا سنمان کیا تھا۔ یہ بات سنہ ۱۹۹۱ء کی ہے۔

سنہ ۱۹۹۱ء کے بعد سے میرے لئے راج بھون کے دروازے کھلے رہے۔
(یعنی راج بھون میں وقتاً فوقتاً میرا آنا جانا شروع ہوا) گورنر صاحب کی طبیعت
کا یہ خاصہ ہے کہ جشنِ آزادیٔ ہند، یومِ جمہوریہ ہند، ہولی، دیوالی، اُگادی، رمضان
وغیرہ کی تقاریب کے موقع پر راج بھون میں شہر کے منتخب شہریوں کو مدعو
کیا کرتے ہیں۔ راج بھون کے خوبصورت دل و دماغ کو ٹھنڈک پہنچانے والے
سبزہ زار پر آراستہ ہر تقریب ایک یادگار تقریب کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔
مجھے ایسی ہر تقریب کے موقع پر مدعو کیا جاتا رہا ہے۔ گورنر صاحب کی خواہش پر مختلف
تقاریب میں اپنی نظمیں سناتا رہا ہوں۔ راج بھون کی [illegible]

کی ایک اہم کڑی ڈاکٹر کے۔ ایل۔ گاندھی ہیں۔ گاندھی صاحب ایک شائستہ اور نہایت مہذب انسان ہیں۔ گورنر صاحب کے قریب ترین رفیقوں میں سے ایک ہیں۔ (اگرچہ اپنی ملازمت کے اعتبار سے وہ گورنر صاحب کے پرسنل سکریٹری ہیں۔

آزادی کے موقع پر (۱۹۹۵ء) میں راج بھون میں ایک پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ اُس تقریب میں وزیر اعظم ہند مسٹر پی۔ وی۔ نرسمہاراؤ بھی موجود تھے۔ اردو کے شاعر کی حیثیت سے مجھے مدعو کیا گیا تھا۔ آزادی کے موضوع پر میں نے ایک نظم سنائی تھی۔ مجھے اندازہ ہوا کہ میری نظم پسند کی گئی ہے۔ میں نے نظم سنانے سے پہلے مختصر تقریر کی تھی جس میں، میں نے کہا تھا کہ گورنر صاحب (جناب کرشن کانت) کے دور میں راج بھون، لسانی ہم آہنگی، قومی یکجہتی اور آپسی بھائی چارگی کی فضا کو خوشگوار بنانے میں مرکزیت کا رول ادا کر رہا ہے۔ گورنر صاحب حیدرآبادیوں کے دل میں گھر کر چکے ہیں، شہر کی بہتری، انسانی رشتوں کے رموز و نکات پر گورنر صاحب کی گہری نظر ہے۔ شائد یہی وجہ ہے کہ ہمارے شہر کے ہر طبقہ میں گورنر صاحب قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس تقریب میں، میں نے یہ بھی کہا تھا کہ خدا کرے کہ گورنر صاحب کی سرپرستی کا سلسلہ دراز ہو۔ یہ بات میں نے اس لئے کہی تھی کہ گورنر صاحب کے عہدۂ گورنری کی مدت ختم ہو چکی تھی۔ یہ بھی خدا کا کرم ہے کہ گورنر صاحب کی گورنری کی مدّت ختم ہونے کے بعد بھی تقریباً زائد از ایک سال سے اپنی خدماتِ جلیلہ پر فائز ہیں۔

گورنر صاحب کے دل میں میرے لئے بڑی جگہ ہے۔ اُنہیں اندازہ تھا کہ میں ہر موضوع پر شعر کہہ سکتا ہوں۔ ایک دن ڈاکٹر گاندھی نے فون پر بتلایا کہ گورنر صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ میں راج بھون پہنچا۔ اُس وقت گورنر صاحب اپنے افرادِ خاندان

کے ساتھ اپنے روم میں تشریف فرما تھے۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ گورنر صاحب نے مجھ
سے کلام سنانے کی خواہش کی۔ اُن کی خواہش پر میں نے (۳) غزلیں سنائیں۔ گورنر
صاحب نے کلام سننے کے بعد فرمایا کہ میرے بیٹے رشمی کانت کی شادی ہونے والی
ہی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس موقع پر ایک تہنیتی نظم لکھیں۔ میں نے بڑے
اعتماد کے ساتھ ہاں کہہ دیا۔ دو روز کے بعد نظم کے ساتھ راج بھون پہونچا۔ نظم
سنائی۔ گورنر صاحب اور ان کے ارکانِ خاندان نے نظم پسند کی۔ گورنر صاحب نے
گاندھی صاحب سے کہا کہ یہ نظم دیوناگری (ہندی رسم الخط) میں بھی چھپوائیے۔ چنانچہ
یہ نظم اُردو، ہندی زبانوں میں طبع کی گئی۔ گورنر صاحب چونکہ قدیم تہذیب اور پرانے
رسم و رواج کو پسند کرنے والے انسان ہیں اس لئے انہوں نے اُردو نظم کی فرمائش کی
تھی۔ یہ نظم جب میں نے گورنر صاحب اور اُن کے افرادِ خاندان کو سنائی تو اُن کی ایک
صاحبزادی نے مجھ سے کہا کہ کچھ اور نام اس نظم میں اضافہ کیجئے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ گورنر صاحب
نے آخر میں کہا کہ یہ نظم ماتاجی کو بھی سنا دیجئے (یعنی اِن کی والدہ محترمہ کو) گورنر صاحب کی والدہ
محترمہ تقریباً ۹۰ برس کی ہیں۔ راج بھون کی تیسری منزل پر اُن کا کمرہ ہے۔ میں گاندھی صاحب
کے ہمراہ ان کے ہاں پہنچا۔ بڑی محبت سے ملیں۔ میں نے نظم سنائی۔ اُنہیں بھی نظم پسند
آئی۔ مجھے دعائیں دیں۔

گورنر صاحب کے فرزند رشمی کانت کی شادی پروفیسر ساگر (سنٹرل انسٹی ٹیوٹ
آف فارن لنگویجس) کی دختر سے ۵ رمئی ۱۹۹۳ء کو ہوئی۔ شادی کی صبح گورنر صاحب نے
راج بھون پر بلوایا۔ براتیوں کے ساتھ ایک فردِ خاندان کی طرح میں بھی شادی میں شریک
دولہن کے گھر واقع عثمانیہ یونیورسٹی کیمپس برات پہنچی تو گورنر صاحب کی خواہش پر میں نے

پلوتے میں نظم سنائی۔ اس کے بعد راج بھون سے میرا رشتہ اور مضبوط ہوگیا۔

جب عابد علی خاں کی نواسی عائشہ (دختر جناب حامد قادری) کی شادی کے سلسلے میں گورنر صاحب کی والدہ نے مجھے راج بھون بلوایا۔ میں گاندھی صاحب کے ہمراہ ان کے روم میں پہنچا۔ پہلے تو انہوں نے خیر خیریت دریافت کی۔ چائے بسکٹ مٹھائی سے تواضع کی۔ ملک کی تقسیم سے پہلے کے واقعات کا ذکر کیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں۔ اپنے خاندان اور گورنر صاحب کے بچپن کے واقعات و حالات کے بارے میں بتایا۔ اس وقت عابد علی خاں صاحب کو یاد کیا اور کہا کہ عابد علی خاں میرے بیٹے کرشن کانت کی طرح تھے۔ بہت بھلے آدمی تھے۔ دیر تک عابد علیخاں کی تعریف کرتی رہیں۔ اس تمہیدی گفتگو کے بعد کہا کہ میں عابد علی خاں کی نواسی کی شادی کے سلسلے میں ایک ایسا تحفہ دینا چاہتی ہوں جو ایک یادگار تحفہ رہے۔ میں نہیں چاہتی کہ سونے کی انگوٹھی یا کوئی زیور یا کپڑوں کی شکل میں تحفہ دوں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ ایک نظم لکھیں جو میرے خیالات کی ترجمان ہو۔ انہوں نے مبارکباد کے احساسات و جذبات سے بھرپور دعائیہ نظم کی فرمائش کی۔ میں نے ان کے خیالات کو منظوم کیا۔ نظم انہیں پسند آئی۔ بہترین فریم میں سجا کر شادی کے دن پیش کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن ناسازیِ مزاج کی وجہ یہ نظم اُن کی جانب سے گورنر صاحب نے دلہن کے حوالے کی۔ اس نظم کی کئی کاپیاں حاضرین میں تقسیم کی گئیں

شہر میں ایک سال پہلے شراب بندی کے سلسلے میں جلسے ہونے لگے تو گورنر صاحب نے ایک جلسے میں شراب بندی کے موضوع پر دوران تقریر میں ستیری نظم پیش کی۔ ان کے شاعرانہ طرز کو تلنگو کے اخباروں میں نظم کی شکل میں شائع کیا گیا۔ دوسرے دن گورنر صاحب

نے مجھے راج بھون بلوایا اور اپنی ہندی نظم مجھے سُنائی اور مجھ سے خواہش کی کہ ان خیالات کو اُردو میں نظم کی شکل میں لکھوں۔ میں نے نظم لکھی۔ گورنر صاحب کی اور میری نظم "سیاست" ۲۰ جنوری ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ ایک دن جناب محبوب حسین جگر کی خواہش پر ڈاکٹر علی احمد جلیلی اور میں نے شراب کے موضوع پہ سیاست آفس میں برجستہ اشعار کہے۔ یہ اشعار دوسرے دن "سیاست" میں شائع ہو گئے۔

پھر ایک ایسا موقع آیا کہ گورنر صاحب کی خواہش پہ گاندھی صاحب نے ایک اور دن بلوایا۔ ڈاکٹر اندو وشسٹ بھی پہنچ گئیں۔ گورنر صاحب کو کسی بڑے جلسے میں شراب بندی کے موضوع پر تقریر کرنی تھی۔ گورنر صاحب شراب بندی پہ کچھ شعر دوران تقریر پیش کرنا چاہتے تھے۔ نہپال سنگھ ورما کو بھی بلوایا گیا تھا لیکن وہ شہر میں موجود نہیں تھے۔ گاندھی صاحب نے کہا کہ کل نظموں کے ساتھ آ جائیے گا۔ لیکن گورنر صاحب نے کہا کہ آج ہی اشعار چاہیئے، اور اُسی وقت اس پہ میں نے گورنر صاحب سے عرض کیا کہ آپ ہمیں صرف آدھا گھنٹہ کی مہلت دیں، اشعار مل جائیں گے۔ گاندھی صاحب نے ہم دونوں کو ایک روم میں بٹھا دیا۔ ہم دونوں نے آدھ گھنٹے میں ۱۲، ۱۲ شعر کہہ کر گورنر صاحب کو سُنایا۔ اشعار گورنر صاحب کے حوالے کئے گئے۔

گورنر صاحب نے ۷ مارچ ۱۹۹۱ء میں اُردو گھر مغل پورہ میں میری منتخب نظموں پر مشتمل مجموعہ "یہ کیسا رشتہ ہے" کی رسم اجرا انجام دی تھی۔ جب میرا دوسرا مجموعۂ کلام "کیا کیا جائے" شائع ہوا تو مجھے یہ خواہش ہوئی کہ کیوں نہ اس کتاب کی رسم اجرا راج بھون میں انجام پائے۔ جب میں نے گورنر صاحب کے سامنے یہ بات رکھی تو انہوں نے کہا کہ ضرور۔ راج بھون میں کتاب کی رسم اجرا انجام پائے گی۔

گورنر صاحب نے میزبان کی حیثیت سے میری کتاب کی رسم اجرا انجام دی۔ شرکائے محفل کی تواضع کی گئی۔ ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی، سابق وائس چانسلر تلگو یونیورسٹی، پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی اور ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے مخاطب کیا۔ جناب رئیس اختر ناظم اجلاس تھے۔ رسم اجرا کے موقع پر میں نے اظہارِ تشکر کرنے کے بعد غزل سنائی تو گورنر صاحب نے فرمایا کہ اس محفل میں کافی شعراء موجود ہیں، کیوں نہ مشاعرہ ہو جائے۔ چنانچہ مشاعرہ ہوا جس میں شہر کے نامور شعراء ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی، سید شہید، مظہر احمد جلیلی، صلاح الدین نیر، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی،

نیپال سنگھ ورما، شفیع اقبال، مومن خاں شوق، ڈاکٹر راہی، افضل تسلیم، منان منظر، قاضی انجم عارفی نے کلام سنایا۔

دوسرے دن راج بھون سے گاندھی صاحب نے فون کیا اور کہا کہ کل آپ نے ماتاجی (والدۂ محترمہ گورنر صاحب) سے ملاقات نہیں کی۔ وہ آپ کا انتظار کرتی رہیں۔ میں نے کہا کہ اُن سے کیسے ملتا۔ اگر وہ یاد فرماتیں تو میں ضرور ملاقات کرتا۔ اس بات پر گاندھی صاحب نے کہا، کیا آپ اس وقت آ سکتے ہیں؟ اُس وقت چار بج رہے تھے۔ میں نے کہا ۱۵ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔ راج بھون پہنچنے کے بعد گاندھی صاحب کے ہمراہ والدہ گورنر صاحب کے ہاں چلا گیا۔ میں آداب کر کے اُن کے پلنگ کے بازو بیٹھ گیا۔ ان کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ پہلے تو رسمی گفتگو رہی پھر اُنہوں نے کہا کہ کل آپ کی کتاب کی رسم اجرا تقریب ہوئی۔ آپ مجھ سے ملنے نہیں آئے۔ میں منتظر رہی۔ میں نے کہا کہ ضرور آتا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ نے یاد فرمایا ہے۔ والدہ گورنر صاحب

نے میری نئی کتاب کی اشاعت کی مبارکباد دی اور تقریباً دو کیلو مٹھائی کا ڈبہ میرے حوالہ کیا اور کہا کہ آپ کی کتاب کی اشاعت کی خوشی میں میری طرف سے یہ میں اس پہ بہت متاثر ہوا۔ گورنر صاحب کی والدہ کا یہ اعزاز مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔

گورنر صاحب کو اُردو شاعری سے کافی لگاؤ ہے۔ رسمِ اجرا کے تیسرے دن راج بھون میں ہندی، اُردو مشاعرہ ہوا۔ جناب نہپال سنگھ ورما کنوینر تھے۔ اُردو شاعروں کو مدعو کرنے کی ذمہ داری میری تھی۔ اُردو ہندی کے نمائندہ شاعروں نے کلام سُنایا۔

جب صدر جمہوریہ ہند چھٹیاں گزارنے کے لئے حیدرآباد تشریف لائے تو جناب جلیل پاشاہ صدر کل ہند اُردو تعلیمی کمیٹی، نے راشٹرپتی نیلائم میں ۲۷ ستمبر ۱۹۹۸ء کو مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا۔ میں ناظم مشاعرہ تھا۔ اُردو کے ان ممتاز شاعروں نے کلام سُنایا تھا۔ مسز سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، صلاح الدین نیر، رئیس اختر، ناصر کرنولی، ڈاکٹر صادق نقوی، اکمل حیدرآبادی، نہپال سنگھ ورما، علی الدین نوید، مومن خاں شوق، یونس شہامت جاہ، ڈاکٹر راہی، اثر غوری، قاضی انجم عارفی، شفیع اقبال، افضل تسنیم مظفر النساء ناز، ڈاکٹر اندو وشسٹ۔ اِس مشاعرے میں گورنر صاحب بھی موجود تھے جناب خلیل الرحمٰن سابق ایم۔پی، نے بھی شرکت کی تھی۔ صدرِ جمہوریہ ہند نے نہایت دلچسپی کے ساتھ مشاعرہ سماعت فرمایا۔ مشاعرہ کے بعد شعراء کو گلدستہ پیش کرتے ہوئے شال اڑھا کر (اس طرح شاعروں کو اعزاز سے نوازا گیا۔) چار دن بعد پھر راشٹرپتی نیلائم میں ہندی کا مشاعرہ ہوا۔ اُردو شاعر کی حیثیت سے میں نے نمائندگی کی۔ اس مشاعرہ میں صدر جمہوریہ ہند نے تمام شاعروں کو گلدستہ پیش کرتے ہوئے شال اُڑھا کر شعراء کی حوصلہ افزائی کی۔

گورنر صاحب کو لسانی ہم آہنگی سے بے حد دلچسپی ہے۔ اِن کی تقریر صرف اُردو میں

ہوتی ہے۔ دورانِ تقریر فیض احمد فیض کے کئی شعر سنایا کرتے ہیں۔ فیض اِن کے پسندیدہ شاعر ہیں۔ انوار العلوم کالج کے زیرِ اہتمام ۱۹۹۶ء میں منعقدہ عید ملاپ تقریب میں یہ بھی کہا کہ میں نے فیض احمد فیض کے اشعار سے الیکشن جیتا ہے۔ گورنر صاحب راج بھون کی ہر تقریب میں شرکائے محفل سے اِن کی نشستوں تک پہونچ کر ملتے ہیں۔ مصافحہ کرتے ہیں۔ راج بھون میں مدعوئین کی فہرست منتخب رہا کرتی ہے۔ گورنر صاحب جب گورنر کی حیثیت سے حیدرآباد تشریف لائے تو خصوصیت کے ساتھ عابد علی خاں صاحب سے ملاقات کی۔ اُن سے ربط رکھا دونوں کے مراسم مثالی تھے۔ گورنر صاحب کو اُردو والوں کے جلسوں اور مشاعروں میں مدعو کیا جاتا رہا۔ ادبی ٹرسٹ اور شنکرجی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں میں شرکت کی۔

عابد علی خاں کے انتقال سے گورنر صاحب کو بڑا دھکا لگا۔ حیدرآباد میں عابد علی خاں ہی کی ایک ایسی شخصیت تھی جن سے مختلف موضوعات پر مشاورت کرتے۔ خاص طور پر حیدرآباد کی روایات، یہاں کی تہذیب کے بارے میں ـــــ گورنر صاحب کو ہندو مسلم اتحاد سے بہت دلچسپی ہے۔ ڈسمبر ۱۹۹۰ء میں جب حیدرآباد میں بھیانک فساد پھوٹ پڑا تو اُنہوں نے پُرانے شہر کے کئی مقامات کا دورہ کیا۔ عابد علی خاں صاحب اور مسٹر یدھ ویر ایڈیٹر "ملاپ" اِن کے ہمراہ تھے۔ ظلم رسیدہ لوگوں سے فرداً فرداً ملاقات کی۔ اُنہیں دلاسا دیا۔ گورنر صاحب عوام کے قریب رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ تین سال قبل رمضان کے موقع پر پُرانے شہر کا دورہ کیا، ایک عام شہری کی طرح ـــــ عابد علی خاں ان کے ہمراہ تھے۔ اس سال بھی اُنہوں نے جناب زاہد علی خاں کے ہمراہ پُرانے شہر کا دورہ کیا۔ بھیڑ بھری گلی کوچوں کو دیکھا، مسلمانوں کو مبارکباد دی۔

گورنر صاحب آندھرا پردیش کی سیاست کے مختلف دور میں نہایت خوش اسلوبی

کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ گورنری کے عہدہ پر حرف آنے نہیں دیا۔ اور آج وہ پورے آن بان کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ہم نے سُنا تھا کہ ریاست آندھرا پردیش کے ایک اور گورنر مسٹر بھیم سین سچر بھی ایک مثالی گورنر تھے۔ شری کمود بین جوشی کا دورِ گورنری بھی نہایت کامیاب رہا۔ شریمتی کمود بین جوشی نے میرے مجموعۂ کلام "رشتوں کی مہک" کی رسمِ اجرا انجام دی تھی۔ یہ تقریب ۲۹ رجولائی ۱۹۸۷ء کو اردو گھر مغل پورہ میں منعقد ہوئی تھی۔ شہر کے مشاہیر جلسے میں موجود تھے۔ ادب دوست خواتین وحضرات سے اردو گھر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ گورنر صاحبہ نے حیدرآباد کی ممتاز شاعرہ محترمہ عظمت عبدالقیوم کی ۴۰ سالہ جشن تقاریب کے سلسلے میں جو جوبلی ہال میں منعقد ہوئی تھی، شرکت کی تھی۔ تقریب کا افتتاح کیا تھا۔ اس موقع پر "عظمت عبدالقیوم۔ فن اور شخصیت" کے نام سے عظمت عبدالقیوم کی کتاب شائع ہوئی تھی جس کو میں نے ترتیب دیا تھا۔

گورنر صاحب آندھرا پردیش جناب کرشن کانت ہمارے شہر کے ایک ایسے سربراہ ہیں جن کی شخصیت کی خوشبو ہمیشہ مہکتی رہے گی۔

محفلِ خواتین۔ عظمت عبدالقیوم۔ صلاح الدین نیر

اُردو تہذیب کے شہر حیدرآباد میں مختلف شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والی بعض نامور خواتین نے ایسے بھی کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں جنہیں ادبی و تہذیبی تاریخ کبھی بھلا نہیں سکے گی۔ وہ ایسی شخصیتیں ہیں جو تاریخ کا ایک اہم حصہ بن کر آنے والی نسلوں کو برسوں تک اس بات کا احساس دلاتی رہیں گی کہ حیدرآباد کا دامن کسی وقت بھی تاریخی شخصیتوں اور لائق سپوتوں سے خالی نہیں رہا۔

شعر و ادب کی محفلیں ہوں کہ علمی و تہذیبی محفلیں، سیاسی محفلیں ہوں کہ فلاحی محفلیں یا دینی، اخلاقی و نورانی محفلیں ہوں، سرزمینِ دکن ان کی ہمہ رنگی سرگرمیوں پر ناز کرتی رہے گی۔ سرزمینِ دکن نے نایاب ہستیوں کو ہمیشہ اپنی باہوں میں سمیٹا ہے۔ یہاں ایسا نورانی و تہذیبی سلسلہ برسوں سے پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔

شہرِ محبت نواز، حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں کئی برسوں کی طرح آج بھی شعر و ادب کی مختلف انجمنیں، علمی و ادبی محفلیں، اپنے اپنے طریقوں سے سرگرمِ عمل ہیں۔ ایسی ہی سرگرمِ عمل انجمنوں میں ایک اہم انجمن، محفلِ خواتین بھی ہے جو گزشتہ زائد از ۲۴ برسوں (ڈسمبر ۱۹۷۱ء) سے پُر وقار انداز میں شعر و ادب کی خدمات انجام دے رہی ہے۔

محفلِ خواتین کی بانی اور نہایت فعال شخصیت ممتاز شاعرہ و نامور ادیبہ محترمہ عظمت عبدالقیوم تھیں، جنھیں محفلِ خواتین کی سرگرمیوں سے بے حد دلچسپی تھی۔ محفلِ خواتین کے ارکان نے ہمیشہ ان کا احترام کیا۔ اِن کا ساتھ دیا۔ محفلِ خواتین کی خدمات کے اعتبار سے بھی اِن کا نام سرِفہرست آتا ہے۔

محفلِ خواتین کے قیام کے موقع پر عظمت آپا (عظمت عبدالقیوم) نے مجھے (صلاح الدین نیر) بھی یاد فرمایا تھا۔ یہ اجلاس محفلِ خواتین کے قیام کے سلسلے کا پہلا مشاورتی اجلاس تھا۔ جس زمانے میں، میں نے شعر و ادب کی محفلوں سے اپنے آپ کو وابستہ کیا تھا وہ زمانہ انتہائی خوشگوار، تہذیب یافتہ اور کیف آور ماحول کا ترجمان تھا۔ یہ بات سنہ ۱۹۵۹ء کی ہے۔ اُن دنوں میں اُردو کالج میں بی۔ او۔ ایل کا طالبِ علم تھا اور اُن ہی دنوں روزنامہ "سیاست" کے شعر و سخن کی محفلِ شعر سے وابستہ ہو گیا تھا۔ قیام ادبی ٹرسٹ (سنہ ۱۹۶۷ء) کے وقت سے آج تک آفس انچارج کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔ سنہ ۱۹۵۹-۶۰ء اُردو کالج کے طالبِ علمی کے زمانے میں عثمانیہ یونیورسٹی کے علاوہ شہر کے مختلف کالجوں میں شعر و ادب کی محفلیں آراستہ کی جاتی تھیں۔ میں اپنے کالج کی بزمِ اُردو کا صدر رہی تہیں اُردو کالج میگزین کا مدیر بھی تھا۔ اُسی زمانے میں جب چھٹا مِن کلیاتی اُردو فیسٹیول (۱۹۵۹ء) منعقد ہوا تھا تو میں مشاعرہ کا کنوینر منتخب کیا گیا تھا۔ میں نے کل ہند مشاعرہ کی کارروائی چلائی تھی۔

اُن دنوں شہر میں اُردو مجالس (انجمن ترقی اُردو۔ اُردو ہال) کی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ رائے جانکی پرشاد صدر اُردو مجلس تھے اور میرے اساتذہ منظور احمد منظور اور ڈاکٹر مغنی تبسم اُردو مجلس کے معتمدین تھے۔ جناب منظور احمد نے ازراہ شاگرد نوازی مجھے اُردو مجلس کی سرگرمیوں میں شامل کر لیا۔ رائے جانکی پرشاد جانتے تھے میں وقتاً فوقتاً جناب منظور احمد کا ہاتھ بٹاتا رہتا ہوں۔

اُس زمانے میں ادارۂ ادبیات اُردو کی سرگرمیاں بھی کافی عروج پر تھیں۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ بقید حیات تھے۔ مجھے ایوانِ اُردو کے مشاعرہ میں کلام سنانے کا اعزاز حاصل ہوتا رہتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے تیس سال پہلے پہلی دفعہ عظمت عبدالقیوم، بانو طاہرہ سعید، روحی علی اصغر اور ناز حیدر کو ایوانِ اُردو کے مشاعرے میں سُنا تھا۔ میں نے بھی اُس مشاعرہ میں کلام سُنایا تھا۔ (روحی علی اصغر بعد میں پاکستان چلی گئیں) اُن شاعرات نے اپنے بہترین کلام سے داد و تحسین حاصل کی تھی۔ اُن دنوں شہر کے بعض ادب دوست گھرانوں میں مخصوص مشاعرے ہوا کرتے تھے اور میں ایسی محفلوں میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا تھا۔ خاص طور سے عظمت عبدالقیوم، بانو طاہرہ سعید، ناز حیدر، عائشہ رشاد، روحی علی اصغر اور ڈاکٹر رحیم الدین کمال کی رہائش گاہ پر منعقدہ مشاعروں میں میری شرکت لازمی سمجھی جاتی تھی۔

عظمت عبدالقیوم کے شوہر محترم جناب عبدالقیوم چیف انجینئر (ریٹائرڈ) جو اُن دنوں جواہر لال نہرو پالی ٹیکنک کالج سے (وابستہ تھے) مجھے لے جایا کرتے تھے۔ جب کبھی میں عظمت آپا کو کسی مشاعرہ میں مدعو کرتا تو قیوم صاحب عظمت آپا

میں ہونے لگے۔ کالج کا یہ ہال شریمتی روڈا مستری نے فراہم کیا۔ گزشتہ ۲۴ برس سے محفلِ خواتین کے ماہانہ جلسے اسی مقام پر ہو رہے ہیں۔ البتہ کچھ خصوصی اور سالانہ جلسے نمائش کلب، رویندرا بھارتی آڈیٹوریم، اردو ہال، ویمنس کالج، شاداں کالج، اردو گھر اور مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں منعقد ہوتے رہے۔ ابتدائی دنوں میں محترمہ بلقیس علاء الدین سرپرست محفلِ خواتین تھیں لیکن وہ اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے وقت نہیں دے سکتی تھیں اس لئے شریمتی روڈا مستری کی سرپرستی حاصل کی گئی۔ صدر کی حیثیت عظمت عبدالقیوم کو حاصل تھی۔ شریمتی روڈا مستری سرپرست بننے کے بعد محفلِ خواتین کے ماہانہ جلسوں کے لئے (سنہ ۱۹۷۲ء سے) (عقب نیلوفر ہسپتال) کا ہال فراہم کیا۔ عظمت عبدالقیوم تاحیات محفلِ خواتین کی صدر رہیں۔ مختلف اوقات میں نائب صدور کی حیثیت سے بانو طاہرہ سعید، ڈاکٹر زینت ساجدہ بھی وابستہ رہیں۔ کچھ عرصے کے لئے معتمد رہیں ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید، ناز حیدر صاحبہ کے بعد عظمت عبدالقیوم نے محفلِ خواتین کی بنیادی پالیسی اور طریقۂ کار کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ انہوں نے اپنی کوشش سے شہر کی بہت سی خواتین کو محفلِ خواتین کا رکن بنایا۔ نئی نئی لکھنے والی خواتین محفلِ خواتین کے کارواں میں شامل ہوتی گئیں۔ عظمت عبدالقیوم نے اپنے ذوقِ سلیم کی روشنی میں بھی یہ طے کیا کہ سالانہ جلسوں کے موقع پر غزلوں کی رات (محفلِ موسیقی) کا اہتمام کیا جائے جس کی نوعیت کچھ اس طرح ہو کہ شہر کے ممتاز گلوکار محفلِ خواتین سے وابستہ خاتون شعراء کا کلام ساز پر پیش کریں۔ غزلوں کی رات میں مسز ڈھل راؤ، امیر محمد خاں، رکن الدین، خان اطہر، شکیل احمد، عبدالرحیم، سنگاریڈی جیسے باکمال گلوکار حصّہ لیا کرتے تھے۔

عزیزہ النساء صبا کو شریک معتمد اور مظفر النساء ناز کو خازن منتخب کیا گیا۔ اور مجھ سے یہ خواہش کی گئی کہ میں بہ حیثیت مشیر محفل خواتین کی حیثیت سے محفل خواتین کی سرگرمیوں سے وابستہ رہوں۔ محفل خواتین کی سرگرمیوں کا آغاز خاتون شعراء کے مشاعرے سے ہوا جو رویندرا بھارتی تھیٹر میں ۲۹ دسمبر ۱۹۷۱ء کو منعقد ہوا تھا۔ جس کی صدارت محترمہ بلقیس علاء الدین نے کی تھی۔ اور شریمتی روڈا مستری مہمانِ خصوصی تھیں۔ اخبارات میں انجمن کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ میں نے اپنا نام نیوز میں نہیں دیا اس خیال سے کہ محفل خواتین صرف اور صرف خواتین کی انجمن ہے۔ میں محفلِ خواتین کے شعبۂ نشر و اشاعت کا سارا کام انجام دیتا رہا۔ قیام انجمن کے وقت سے آج بھی اعتماد کی فضا میں محفلِ خواتین کا کام انجام دے رہا ہوں۔ میں نے قیام انجمن سے آج تک سواری خرچ یا کسی اور سلسلے میں کسی بھی قسم کا رقمی تعاون حاصل نہیں کیا۔ (بے لوث خدمت انجام دے رہا ہوں)۔

تمام ارکان محفلِ خواتین میں اہم نام عظمت عبدالقیوم کا ہی ہے۔ عظمت آپا خاص طور پر محفلِ خواتین کی سالانہ تقاریب کا ہر پروگرام پہلے اپنے طور پر طے کرتی تھیں پھر سرپرست محفلِ خواتین شریمتی روڈا مستری اور دیگر ارکانِ محفلِ خواتین سے مشورہ کرتی تھیں۔ حرفِ آخر تو عظمت آپا کا ہی رہتا تھا۔ محفلِ خواتین کے دستور کا جب مسودہ ترتیب دیا جا رہا تھا تو اُس وقت عظمت آپا نے مجھے مشاورت میں شامل رکھا تھا۔ یہی نہیں بلکہ محفلِ خواتین کی ہر تقریب کے سلسلے میں بھی مجھ سے مشورہ کیا کرتی تھیں ــــ جب شریمتی روڈا مستری (۱۹۷۲ء) میں محفلِ خواتین کی سرپرست بنائی گئیں تو محفلِ خواتین کے ماہانہ جلسے کالج آف سوشیل ویلفیئر سنٹر (عقب نیلوفر ہاسپٹل)

ں ہونے لگے۔ کالج کا یہ ہال شریمتی روڈا مستری نے فراہم کیا۔ گزشتہ ۲۴ برس سے محفلِ
واتین کے ماہانہ جلسے اسی مقام پر ہو رہے ہیں۔ البتہ کچھ خصوصی اور سالانہ جلسے نمائش
کلب، رویندرا بھارتی آڈیٹوریم، اُردو ہال، ویمنس کالج، شاداں کالج، اُردو گھر
ور مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں منعقد ہوتے رہے۔ ابتدائی دنوں میں
محترمہ بلقیس علاء الدین سرپرست محفلِ خواتین تھیں لیکن وہ اپنی دیگر مصروفیات
کی وجہ سے وقت نہیں دے سکتی تھیں اس لئے شریمتی روڈا مستری کی سرپرستی حاصل
کی گئی۔ صدر کی حیثیت عظمت عبدالقیوم کو حاصل تھی۔ شریمتی روڈا مستری سرپرست
بننے کے بعد محفلِ خواتین کے ماہانہ جلسوں کے لئے (سنہ ۱۹۷۲ء سے) (عقب نیلوفر ہاسپٹل)
کا ہال فراہم کیا۔ عظمت عبدالقیوم تاحیات محفلِ خواتین کی صدر رہیں۔ مختلف اوقات
میں نائب صدور کی حیثیت سے بانو طاہرہ سعید، ڈاکٹر زینت ساجدہ بھی وابستہ رہیں۔
کچھ عرصے کے لئے معتمد رہیں
ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید، نازحیدر صاحبہ کے بعد عظمت عبدالقیوم نے محفلِ خواتین کی بنیادی
پالیسی اور طریقۂ کار کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ انہوں نے اپنی کوشش سے شہر کی
بہت سی خواتین کو محفلِ خواتین کا رکن بنایا۔ نئی نئی لکھنے والی خواتین محفلِ خواتین
کے کارواں میں شامل ہوتی گئیں۔ عظمت عبدالقیوم نے اپنے ذوقِ سلیم کی روشنی
میں بھی یہ طے کیا کہ سالانہ جلسوں کے موقع پر غزلوں کی رات (محفلِ موسیقی)
کا اہتمام کیا جائے جس کی نوعیت کچھ اس طرح ہو کہ شہر کے ممتاز گلوکار محفلِ خواتین
سے وابستہ خاتون شعراء کا کلام ساز پر پیش کریں۔ غزلوں کی رات میں مسرز وٹھل
راؤ، امیر محمد خاں، رکن الدین، خان اطہر، شکیل احمد، عبدالرحیم، رنگاریڈی
جیسے باکمال گلوکار حصّہ لیا کرتے تھے۔

غزلوں کی رات کے موقع پر خاتون اہلِ قلم کی تخلیقات کی اشاعت کے لئے ایک ادبی میگزین شائع ہونے لگا جس میں صرف اور صرف محفلِ خواتین سے وابستہ خاتون اہلِ قلم کی تخلیقات کے علاوہ بعض مہمان خاتون ادیبوں اور شاعرات کا کلام بھی شائع ہوتا رہا۔ یہ روایت آج بھی جاری ہے۔ اب تک محفلِ خواتین کے (۹) ادبی میگزین شائع ہو چکے ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے۔ ۷ر ڈسمبر سنہ ۱۹۷۳ء (مدیر عظمت عبدالقیوم)۔ ۷ر نومبر سنہ ۱۹۷۵ء (مدیر عظمت عبدالقیوم)۔ ۸ر ڈسمبر سنہ ۱۹۷۶ء (مدیر عظمت عبدالقیوم)۔ سنہ ۱۹۷۸ء (مدیر عظمت عبدالقیوم)۔ ۲۷ر اکٹوبر سنہ ۱۹۸۷ء (مدیر عظمت عبدالقیوم)۔ سنہ ۱۹۹۰ء (مدیر فاطمہ عالم علی خاں) شریک مدیر مظفر النساء ناز ۱۴ر اگسٹ سنہ ۱۹۹۳ء مدیر فاطمہ عالم علی خاں ۲۵ر نومبر سنہ ۱۹۹۴ء (مدیر فاطمہ تاج)۔ ۲۹ر جون سنہ ۱۹۹۶ء (مدیر فاطمہ تاج)

غزلوں کی رات کی پہلی کنوینر انجم قمر سوز تھیں جو نمائش کلب میں ۷ر اکٹوبر سنہ ۱۹۷۲ء منعقد ہوئی تھی۔ مختلف خصوصیات کی وجہ سے وہ محفل یادگار ثابت ہوئی۔ شرکائے محفل میں صرف مدعوئین ہی تھے۔ بعض خاص خاص شخصیتوں میں جناب عابد علیخاں، مدیر سیاست، محبوب حسین جگر، جوائنٹ ایڈیٹر سیاست، اشتفاق حسین، میر حسن، بریگیڈیر سعید، عبدالقیوم چیف انجنیئر، عبدالسلام خاں (کمشنر پولس) شامل تھے۔

محفلِ خواتین کے خدمت گزاروں میں دوسرا اہم نام سرپرست محفلِ خواتین شریمتی رودڈا مستری کا ہے۔ شریمتی رودڈا مستری عظمت عبدالقیوم کی بہت عزت کرتی تھیں۔ عظمت آپا کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھیں۔ عظمت آپا نے کبھی شریمتی رودڈا مستری کو ہمیشہ

قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ شریمتی روڈ امستری کی موجودگی اور غیر موجودگی میں ان کے پرسنل سکریٹری جناب نثار احمد کا بھی محفلِ خواتین کو تعاون حاصل رہا کرتا تھا۔ محفلِ خواتین سے متعلق اکاؤنٹس کی ذمہ داری اِن ہی کی ہے۔ محفلِ خواتین کا مین اکاؤنٹس ابتداء ہی سے شریمتی روڈامستری کی نگرانی میں انجام پاتا ہے۔ جب کبھی سالانہ تقریب کے سلسلے میں رقم کی ضرورت ہو تو شریمتی روڈامستری کی اجازت سے ہی بینک سے رقم نکلوائی جاتی ہے۔ چیک پر دستخط شریمتی روڈامستری کی بھی ہوتی ہے۔ البتہ ہر ماہ ہونے والے جلسوں کے اخراجات (چائے نوشی وغیرہ) کی تکمیل اراکین محفلِ خواتین کی رکنیت فیس سے کی جاتی ہے۔

شریمتی روڈامستری، عظمت آپا کی ہر تجویز کو پسند کرتی تھیں۔ دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی تھی۔ ادبی میگزین کے اشتہارات کے لئے عظمت آپا خصوصی دلچسپی لیتی تھیں۔ اِن کی کوشش سے ابتداء میں تقریباً (۱۹) ہزار روپے جمع کروائے گئے تھے۔ ناز حیدر، محفلِ خواتین کی پہلی معتمد تھیں۔ مختلف اوقات میں بہت کم عرصے کے لئے بانو طاہرہ سعید، طیبہ بیگم سلطانہ شرف الدین محفلِ خواتین کی معتمد رہیں۔ البتہ فاطمہ عالم علی خاں تقریباً ۱۲ برس تک معتمد محفلِ خواتین رہیں۔ مظفر النساء ناز کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ قیام محفلِ خواتین سے ہی شریک معتمد و خازن محفلِ خواتین رہیں۔ (یعنی ۲۴ برس سے)۔

محفلِ خواتین کی ایک صالح روایت یہ بھی ہے کہ محفلِ خواتین کے عہدیداروں کا انتخاب موزونیت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ یہ عمدہ روایت آج بھی برقرار ہے۔ یہ روایت عمدہ اس لئے ہے کہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جس انجمن میں بھی انتخابات

کا رواج ہے اُس انجمن کے ارکان دو گروپ میں بٹ جاتے ہیں۔ نتیجتاً انجمن کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ میں شخصی طور پر موزونیت کی بنا پر ذمہ داریاں سونپے جانے کو اولیت دیتا ہوں۔ ادبی ٹرسٹ، انجمن ترقی اُردو جیسے ادارے ہمیشہ میرے پیشِ نظر رہتے ہیں۔ عظمت عبدالقیوم محفلِ خواتین کے ہر عہدہ کے لئے نامزدگی کے سلسلے میں میری مشاورت کو ہمیشہ ترجیح دیا کرتی تھیں۔ طیبہ بیگم سلطانہ شرف الدین اور فاطمہ عالم علی خاں کو معتمد بنائے جانے کے موقع پر بھی مجھ سے مشاورت کی تھیں۔ عظمت عبدالقیوم، فاطمہ عالم علی خاں کو جب معتمد بنائے جانے کی تجویز رکھی تو فاطمہ عالم علی خاں نے کہا تھا کہ تنظیمی کاموں کے لئے میں موزوں نہیں ہوں کسی اور کو معتمد بنایا جائے تو مناسب ہے لیکن میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں آپ سے تعاون کرتا رہوں گا۔ (خاص طور پر محفل کی خبروں کی ترتیب و اشاعت میرے ذمہ تھی) ۔ ماہانہ پروگرام وہ خود طے کرتی تھیں

محفلِ خواتین کے ادبی میگزین کی اشاعت کے علاوہ سالانہ جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں بھی میرا ہر ممکنہ تعاون، محفلِ خواتین کو حاصل رہا کرتا ہے۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ طباعت و ترتیب و تزئین سے ہٹ کر مضامین کے انتخاب میں بھی مجھ سے مشورہ لیا جاتا تھا لیکن حرفِ آخر کی طرح آخری انتخاب عظمت آپا کا ہی ہوتا تھا۔ عظمت آپا کا معیار بہت اعلیٰ تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ ہر ایک ادبی میگزین بہتر سے بہتر انداز میں شائع ہو۔ میں عظمت آپا کی ہر خواہش کا احترام کرتا تھا۔ ایک چھوٹے بھائی کی طرح ـــــ عظمت آپا کا سلوک میرے لئے ایک حقیقی بہن جیسا تھا۔ مجھے اُس دن کا وہ جملہ اب بھی یاد ہے جب اُنہوں نے اپنی کتاب "عظمت عبدالقیوم ـــ فن

اور شخصیت" کا رسم اجرا کے موقع پر (جس کو تقریب ۲۱ر مارچ ۱۹۸۸ء کو جوبلی ہال باغ عامہ میں گورنر آندھرا پردیش شریمتی کمود بین جوشی کے ہاتھوں انجام پائی تھی) بھری محفل میں کہا تھا کہ میں اپنے بھائی کا شکریہ کس طرح ادا کر سکتی ہوں، بس خدا سے میری یہی دعا ہے کہ میرے بھائی کو میری عمر لگ جائے۔ عظمت آپا مجھے بہت چاہتی تھیں۔ اُن کے گھر کی ہر چھوٹی بڑی تقریب میں مجھے مدعو کیا جاتا تھا۔ بہت سے گھریلو معاملات میں مجھ سے مشورہ کیا کرتی تھیں۔ وہ اپنی بیٹی شاداں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔ شاداں کالج، عظمت عبدالقیوم کی ایک عظیم یادگار ہے۔ انہوں نے اپنی چہیتی بیٹی کے نام سے شاداں کالج قائم کیا۔ آج شاداں کالج شہرت کی بلندیوں پر ہے۔ اس کالج کی شہرت کو آخری منزل تک پہنچانے میں اُن کے داماد ڈاکٹر وزارت رسول خاں کا اہم کارنامہ ہے۔ جو شاداں کالج کے چیف پرموٹر کی حیثیت سے پاک و صاف انتظامیہ کے مکمل نگران ہیں۔ شاداں کالج میں سب سے پہلے لڑکیوں کے لئے بی۔ ایڈ کالج قائم ہوا۔ بی۔ ایڈ کالج کے پرنسپل اور اساتذہ کی خدمات کے انٹرویوز عظمت آپا کی قیام گاہ امیر پیٹ میں ہوتے تھے۔ لڑکیوں کے اس کالج میں عظمت آپا کی سرپرستی میں کالج کی لکچرر اُردو تسنیم قادری نے بزم خیاباں کے نام سے ایک انجمن قائم کیا۔

عظمت آپا کا مختصر علالت کے بعد ۲۱ر مئی ۱۹۸۸ء کو انتقال ہوا۔ ان کی شاعرانہ عظمت و عظیم شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرنے کے سلسلے میں گزشتہ (۸) برسوں سے ادبی تقاریب منعقد کر رہا ہوں۔ تا حال (۸) جلسے ہو چکے ہیں۔ ان تقاریب سے مجھے دلی سکون حاصل ہے۔ یہ جلسے شاداں کالج کے

علاوہ ڈاکٹر وزارت رسول خاں کی رہائش گاہ "شاہ منزل" ہمایوں نگر میں بھی منعقد ہوا کرتے ہیں۔ مشاہیر اُردو شرکت کیا کرتے ہیں۔

عظمت آپا، جناب عبدالقیوم کے انتقال کے بعد تقریباً ٹوٹ چکی تھیں رفتہ رفتہ ان کی صحت متاثر ہونے لگی۔ میرے مسلسل اصرار پر اپنے آپ کو محفلِ خواتین کی ادبی سرگرمیوں میں مصروف رکھنا شروع کیا۔ قیوم صاحب کے انتقال کے بعد تقریباً ایک سال تک محفلِ خواتین کے جلسے نہیں ہوئے۔

عظمت عبدالقیوم کے انتقال کے بعد سلطانہ شرف الدین کو صدر محفلِ خواتین بنانے کے سلسلے میں، میں اور فاطمہ عالم علی خاں ہم خیال رہے۔ فاطمہ عالم علی خاں اپنی کچھ ادبی و نجی مصروفیات کی وجہ سے ۱۹۹۴ء میں محفلِ خواتین کی معتمدی کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو علٰحدہ کرلیا۔ پھر ہم دونوں (فاطمہ عالم علی خاں، صلاح الدین نیرؔ) کے مشورہ سے عزیز النساء صباؔ کو معتمد محفلِ خواتین نامزد کیا گیا۔ سلطانہ شرف الدین صدر برقرار رہیں۔ محفلِ خواتین کی ایک سرگرم عمل رکن فاطمہ تاجؔ کو معتمد نشر و اشاعت منتخب کیا گیا مظفر النساء نازؔ سابقہ عہدہ شریک معتمد و خازن کی حیثیت سے برقرار ہیں۔

فاطمہ تاجؔ کو شعر و ادب کی دنیا میں روشناس کرانے میں فاطمہ عالم علی خاں کی شخصی دلچسپی کو بڑا دخل ہے۔ فاطمہ تاجؔ جب محفلِ خواتین سے وابستہ ہوگئیں تو انھوں نے بہت سی ادب دوست خواتین کو محفلِ خواتین کا رکن بنا دیا۔ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں کے لئے وقف ہو چکی ہیں۔ عزیز النساء صباؔ، فاطمہ تاج اور مظفر النساء نازؔ، محفلِ خواتین کی سرگرمیوں میں ہم خیال رہا کرتی ہیں۔

صدر محفلِ خواتین سُلطانہ شرف الدین بھی محفلِ خواتین کی سرگرمیوں سے باخبر رہتی ہیں۔
محفلِ خواتین کے جلسوں میں پردہ نشین و نیم پردہ نشین خواتین بلا تکلف شرکت کرتی
ہیں۔ محفلِ خواتین کے جلسوں میں صرف اور صرف خواتین ہی شرکت کیا کرتی ہیں۔
محفلِ خواتین کے ماہانہ جلسوں میں کم از کم ۵۰ زیادہ سے زیادہ ۱۰۰ اہلِ ذوق خواتین
شریک رہتی ہیں۔ محفلِ خواتین کے زیرِ اہتمام صنعتی نمائش کے موقع پر نمائش کلب
میں خاتون شعراء کا مشاعرہ ہوا کرتا ہے۔ گزشتہ ۴ سال سے فاطمہ تاج مشاعرہ
کی نظامت کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ تقریباً ۱۵ برس سے (درمیان میں کچھ
برس مشاعرے نہیں ہوئے) نمائش کے دوران یومِ خواتین کے موقع پر محفلِ خواتین
سے وابستہ خاتون شعراء کا مشاعرہ ہو رہا ہے۔ نمائش کلب میں مشاعروں کا آغاز
عظمت عبدالقیوم کی شخصی دلچسپی کا نتیجہ ہے۔ محفلِ خواتین کی تقریباً تمام ارکان کی
کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی بیشتر کتابوں پر ملک کی اکیڈیمیوں نے انعام سے
نوازا ہے۔ محفلِ خواتین کے اجلاس ہر ماہ کے دوسرے ہفتہ میں پابندی کے ساتھ
ہوا کرتے ہیں۔ ایسی حیدرآبادی اہلِ قلم خواتین جو بیرونِ ملک میں رہتی ہیں وہ جب
حیدرآباد آتی ہیں تو ان کا خیرمقدم کیا جاتا ہے۔ تاحال ممتاز شاعرہ فاطمہ نسرین
ایم۔اے، عثمانیہ جو شکاگو میں ۲۳ برس سے مقیم ہیں اور پروین کمال جو ۱۵ برس
سے جرمنی میں سکونت پزیر ہیں، کا خیرمقدم کیا گیا۔ ان کی تخلیقات سُنی گئیں۔ داد
و تحسین سے نوازا گیا۔ محفلِ خواتین سے وابستہ خاتون شعراء نے ۲۰ سال قبل مسلم
ایجوکیشن سوسائٹی مدراس کے زیرِ اہتمام منعقدہ کل ہند مشاعرہ (برائے خواتین) میں شرکت
کی تھی۔ مشاعرہ کی کاروائی ڈاکٹر زینت ساجدہ نے چلائی تھی۔ داعی مشاعرہ ڈاکٹر

عزیز تمنائی تھے۔ جن کی خواہش پر میں نے شاعرات کی شرکت کا انتظام کیا تھا۔
محفلِ خواتین کو آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے ادبی پروگرام مِلا کرتے ہیں۔ بعض
ارکانِ محفلِ خواتین کو دوردرشن سے بھی پروگرام ملتے رہتے ہیں۔ بہت سی شاعرات
و خاتون ادیبوں کی تخلیقات روزنامہ "سیاست" میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔
محفلِ خواتین کے جلسوں میں مہمان کی حیثیت سے خدیجہ ہاشمی (نیلم ہاشمی) (دختر
نصیرالدین ہاشمی) جو بیس برس سے پاکستان میں رہتی ہیں کا بھی خیرمقدم کیا گیا تھا۔
محفلِ خواتین آج بھی اپنی بنیادی پالیسی پر قائم ہے جس کو عظمت عبدالقیوم
نے خواتین کی عزتِ نفس اور ان کے وقار کو پیشِ نظر رکھ کر قائم کیا تھا۔ اِس
وقت محفلِ خواتین کے عہدیداروں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

سرپرست: شریمتی روڈا مستری۔ صدر: سلطانہ شرف الدین۔
نائب صدور: فاطمہ عالم علی خاں۔ افضل عنایت خاتون۔
پروفیسر حبیب ضیاء۔
معتمد عمومی: عزیز النساء صباء۔ معتمدِ نشر و اشاعت: فاطمہ تاج
شریک معتمد: مظفر النساء ناز۔

۲۹ اور ۳۰ جون ۱۹۹۶ء عظیم الشان پیمانہ پر محفلِ خواتین کی دو روزہ
سلور جوبلی تقاریب منعقد ہوئیں۔ افتتاحیہ اجلاس کی کنوینر فاطمہ تاج تھیں۔

سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن

قبل اس کے کہ میں سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی ادبی، شعری و تہذیبی سرگرمیوں کا ذکر کروں، ضروری سمجھتا ہوں کہ اُن محرکات کا بھی تذکرہ کروں جن کی روشنی میں سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا یہ بات ۱۹۷۶ء کی ہے یعنی ۲۷ برس پہلے کی۔ اِس ادبی انجمن کے قیام سے پہلے سکریٹریٹ میں کسی قسم کی بھی اُردو انجمن کا وجود نہیں تھا۔ ریاستوں کی تنظیم جدید کے بعد یعنی ۱۹۵۶ء کے بعد سے سکریٹریٹ میں آندھرا پردیش سکریٹریٹ کلچرل اسوسی ایشن کی سرگرمیوں کا بڑا شہرہ تھا۔ اِس اسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام ہر سال پابندی کے ساتھ ماہ نومبر ڈسمبر میں ۷ روزہ کلچرل پروگرامس ہوا کرتے تھے جس میں اُردو کا کوئی ایک پروگرام بھی شامل نہیں رہتا تھا۔ چونکہ ملتگانہ کے ملازمین بھی کلچرل اسوسی ایشن کے رکن ہوا کرتے تھے۔ اس لئے ہماری کوششوں سے بہ دقّتِ تمام سات روزہ پروگرام کے دوران کسی ایک دن نصف گھنٹہ یا ایک گھنٹہ کا اُردو پروگرام ملتا تھا۔ اِس مختصر وقت میں ہم لوگ کوئی ایک پروگرام پیش کیا کرتے تھے۔ کبھی محفلِ موسیقی کا اہتمام کیا جاتا تو کبھی اُردو ڈرامہ پیش کیا جاتا۔ ایک دفعہ ہم نے مشاعرہ بھی کیا تھا۔ جس میں حیدرآباد کے ممتاز شعراء نے کلام سُنایا تھا۔ معتمدی کے فرائض صلاح الدین نیّر نے انجام دیئے تھے۔ تہذیبی پروگرام (موسیقی۔ ڈرامہ وغیرہ) کی پیش کشی میں مسرز خواجہ بہاء الدین، عباس ہاشمی، محسین خاں اور شکیل احمد پیش پیش

رہا کرتے تھے۔ اس شعبہ کے انچارج جناب خواجہ بہاء الدین رہتے۔ تنظیمی اُمور میں صلاح الدین نیر اور افضل حسین (ممتاز کاظمی) بھی سرگرم عمل رہا کرتے۔

۲۷ برس پہلے آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے شہر کی کچھ اُردو انجمنوں کو ادبی و تہذیبی پروگرامس دیئے جا رہے تھے۔ میری خواہش پر پروگرام اگزیکیٹو (اُردو سیکشن) مسٹر پاشرد (جو میرے دوست تھے) اُردو پروگرام کی پیش کشی کے لئے اے۔پی۔ سکریٹریٹ کلچرل اسوسی ایشن کے نام کنٹراکٹ فارم روانہ کیا لیکن اُس وقت کے ڈائرکٹر کلچرل اسوسی ایشن نے یہ لکھ کر کنٹراکٹ فارم لوٹا دیا کہ اے۔پی۔ سکریٹریٹ کلچرل اسوسی ایشن اُردو پروگرام پیش کرنے کے موقف میں نہیں ہے۔ جب یہ بات مجھے معلوم ہوئی تو میں نے سکریٹریٹ کے اپنے ساتھی مسرز خواجہ بہاء الدین، عباس ہاشمی، افضل حسین (ممتاز کاظمی) پیرم بھاکر راؤ، علیم الدین اور بی۔ این۔ داگھرے کے سامنے یہ تجویز رکھی طے کیا گیا کہ کسی بھی صورت میں پروگرام سے استفادہ کرنا چاہیئے لیکن اس کے لئے کسی ایک انجمن کا نام ضروری تھا۔ چونکہ اُس وقت سکریٹریٹ میں کوئی ادبی انجمن نہیں تھی اسلئے باہمی مشاورت کے بعد سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے نام سے ادبی و تہذیبی انجمن کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ اس فیصلے کے بعد میں نے ممتاز طنز و مزاح نگار جناب بھارت چند کھنہ سکریٹری گورنمنٹ آندھرا پردیش کو اس صورتِ حال سے واقف کراتے ہوئے اُن سے صدارت کے لئے رضامندی حاصل کرلی۔ اسی طرح فون پر ہی مسرز غلام احمد ڈپٹی سکریٹری، رشید قریشی اسسٹنٹ سکریٹری اور ایس۔ ایس۔ جیا راؤ ڈپٹی سکریٹری سے بھی نائب صدور کی حیثیت سے شمولیت کی اجازت حاصل کرلی۔ میرے ساتھیوں نے صلاح الدین نیر کو بہ اتفاقِ آراء معتمدِ عمومی نامزد کیا۔ جب جناب بشیر انور کو انجمن کے قیام کے بارے میں معلوم ہوا تو میرے پاس آئے اور مجھ سے

شریک معتمد بننے کی خواہش کی۔ اِن کے اصرار اور خواہش پر میں نے صدر اسوسی ایشن جناب سجارت چند گھنٹہ کی اجازت سے شریکِ معتمد بنایا ۔۔۔ ۲۶ رجون سنہ ۱۹۶۹ء کو سکریٹریٹ اسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا۔ اخبارات کے ذریعہ اسوسی ایشن کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ شعبۂ موسیقی کے لئے مسرز خواجہ بہاء الدین اور سید عباس ہاشمی کو نامزد کیا گیا۔ شعبۂ خواتین کے انچارج کی حیثیت سے مظفر النساء ناز اور سیدہ محسنہ کو شامل کیا گیا۔ ان کے علاوہ دفاترِ معتمدین کے ہر دفتر سے ایک ایک رکنِ عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی ہیئت ترتیبی کچھ اس طرح رہی کہ اعلیٰ عہدیدارانِ سکریٹریٹ میں سے کوئی ایک عہدیدار صدر ہوگا اور باقی عہدیدار جو اسوسی ایشن سے وابستہ رہنا چاہتے ہوں نائب صدر رہیں گے۔ معتمد، شریکِ معتمد، خازن، ارسٹاف ممبر میں سے ہوں گے۔ ابتدا ہی سے رکنیت فیس نہیں رکھی گئی۔ عہدیدارانِ اسوسی ایشن کا انتخاب موزونیت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اس اسوسی ایشن کے بلا تخصیص مذہب و ملت و زبان، اراکین ہوا کرتے تھے۔ ابتدائی پروگرامس اور بعد کے پروگرامس میں سکریٹریٹ کی جن لڑکیوں اور خواتین نے حصّہ لیا اُن میں مظفر النساء ناز، سیدہ محسنہ، شیریں سراج الحسن، کریم النساء، شمسیہ، پرمیلا شاہ، ثریا سلطانہ، سلوچنا چودھری، کرشنا کماری، جینتی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی سرگرمیوں کا آغاز ۲ رجولائی سنہ ۱۹۶۹ء کے ریڈیائی پروگرام (بزم نو کلب پروگرام) سے ہوا۔ نصف گھنٹہ کے اس پروگرام میں افضل حسین اور سیدہ محسنہ نے افسانے سنائے تھے۔ صلاح الدین نیر نے کلام پیش کیا تھا۔ بعد ازاں بشیر الوتی نے
آل انڈیا ریڈیو سے دوسرا پروگرام یکم فبروری سنہ ۱۹۷۰ء کو ہوا۔ تنکار کے موضوع پر

مسٹر غلام احمد ڈپٹی سکریٹری، رشید قریشی اسٹنٹ سکریٹری نے گفتگو کی لطیفوں کی محفل میں مظفر النساء ناز، سیدہ محسنہ، شیریں سراج الحسن، پرمیلا شاہ، ثریا سلطانہ اور سلوچنا جوشی نے حصہ لیا تھا ۔

سکریٹریٹ اسوسی ایشن کے وقار میں اضافہ کے لئے اُس وقت کے اڈیشنل چیف سکریٹری جناب ایس۔ اے۔ قادر سے اسوسی ایشن کی سرپرستی حاصل کی گئی۔ جناب ایس۔ اے۔ قادر صدر نشین پبلک سروس کمیشن بنے تو جناب رائے کنج بہاری لال اڈیشنل چیف سکریٹری کی خدمات سے بہ حیثیت سرپرست اسوسی ایشن استفادہ کیا جاتا رہا۔ ان کے بعد مسٹر رامن چیف سکریٹری سرپرست رہے۔ پھر ان کے بعد جناب شرون کمار چیف سکریٹری سرپرست رہے (اور اب بھی ہیں) ۔ انجمن کے قیام کے بعد علی الترتیب مسرز بھارت چند کھنہ، غلام احمد، ایس۔ اے۔ واسع اور جناب صادق احمد، صدر انجمن رہے۔ صادق احمد صاحب کے ریٹائرمنٹ کے بعد جناب تراب الحسن ۳۱ر مارچ ۱۹۸۵ء سے صدر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مختلف دور میں نائب صدور کی حیثیت سے مسرز غلام احمد، رشید قریشی، جیا راؤ، یس۔ اے۔ واسع، صادق احمد، ہاشم علی اختر، خالد انصاری، غلام دستگیر قریشی، حسن الدین احمد، غلام جیلانی، خواجہ معین الدین، ین۔ کے۔ سیٹھ، مبشر احمد، سعد حسین سعد، مہاراج کرن، وامن راؤ، ایس۔ اے۔ عزیز وغیرہ وابستہ رہے۔ بانی اسوسی ایشن صلاح الدین نیر قیام اسوسی ایشن سے معتمد عمومی اسوسی ایشن ہیں مسٹر بشیر الدین ابتداء میں صرف ۸ ماہ کے لئے شریک معتمد رہے۔ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی سرگرمیوں کے سلسلے سکریٹریٹ میں ایک ہلچل مچ گئی تھی۔ اردو زبان اور شعر و ادب سے دلچسپی لی جا رہی تھی غیر اردو داں اصحاب بھی شرکت کیا کرتے تھے۔

جناب قادر جاوید کو ۱۲ مارچ ۱۹۷۰ء کو خازن مقرر کیا گیا۔
بعد میں کچھ برس وہ شریک معتمد بھی رہے۔ جناب قادر جاوید کچھ برس وابستہ رہنے کے بعد اپنے طور پر ۷ فروری ۱۹۸۱ء کو مستعفی ہوئے اس وقت جناب صادق احمد جوائنٹ سکریٹری محکمہ قانون صدر اسوسی ایشن تھے۔
مختلف اوقات میں سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے جلسوں میں مسرز ٹی انجیا وزیر لیبر، ابراہیم علی انصاری وزیر اوقاف اور جناب ایم۔ باگا ریڈی وزیر پنچایت راج ڈپارٹمنٹ نے مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ جناب عابد علی خان نے بھی سکریٹریٹ اسوسی ایشن کی بعض سالانہ تقاریب میں شرکت کی تھی۔ جناب تجمل حسین اور بعض مشاہیر بھی ہمارے جلسوں میں مہمانانِ خصوصی رہے۔ سالانہ جلسے رویندرا بھارتی تھیٹر، اندرا پریہ درشنی آڈیٹوریم میں ہوا کرتے تھے۔ اُردو دوست خواتین و حضرات کی کثیر تعداد اِن تقاریب میں شریک رہا کرتی تھی۔

جیسا کہ اکثر ہوتا ہے جہاں کہیں بھی کسی اچھے کام کی شروعات ہوتی ہے تو کچھ لوگ اچھے کام میں رکاوٹیں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جب اسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا تو سکریٹریٹ کے بعض احباب منفی سرگرمیوں میں دلچسپی لینے لگے۔ قیام اسوسی ایشن کے ۸ ماہ بعد ہی سکریٹریٹ کے ماحول میں کچھ تبدیلیاں آنے لگیں۔
سکریٹریٹ کے بعض احباب نے اخبارات میں ایک نیوز چھپوائی جس میں بتایا گیا کہ سکریٹریٹ میں کوئی اُردو اسوسی ایشن نہیں ہے بلکہ کچھ لوگ

سکریٹریٹ کا استعمال کر رہے ہیں۔ یہ بات اُس وقت کہی جا رہی تھی جب کہ اسوسی ایشن کے باضابطہ اجلاس شروع ہو چکے تھے۔ لیکن یہ فضا بہت جلد ختم ہو گئی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد کچھ اصحاب نے کچھ الگ الگ ساتھیوں کے ساتھ سکریٹریٹ اسوسی ایشن کے قیام کا اعلان کیا، حالانکہ ایک انجمن کام کر رہی ہے۔ اس اعلان کا بھی کچھ اثر نہیں ہوا۔ سکریٹریٹ کے سنجیدہ اُردو داں حضرات نے ان سرگرمیوں کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ان سرگرمیوں کے پیچھے سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے بعض اصحاب جو انجمن سے نکال دیئے گئے تھے پیش پیش رہے مگر بڑی ہوشیاری کے ساتھ۔

احاطۂ سکریٹریٹ میں اُردو اسوسی ایشن کا پہلا ادبی پروگرام سکریٹریٹ کے کمیٹی ہال میں ۲۱ جولائی ۱۹۷۶ء کو ہوا جس کی صدارت صدر اسوسی ایشن جناب بھارت چند کھنّہ نے کی تھی جبکہ سرپرست اسوسی ایشن جناب ایس۔ اے۔ قادر ایڈیشنل چیف سکریٹری نے بھی شرکت کی تھی۔ اس اسوسی ایشن کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ اس کی کوئی رکنیت فیس نہیں ہے۔ عہدیدارانِ اسوسی ایشن کا انتخاب موزونیت کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔ ہم نے ان برسوں میں آل انڈیا ریڈیو سے بہت سے پروگرام پیش کئے۔ بہت سے اجلاس منعقد ہوئے۔

سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کا ایک اہم کارنامہ ایک دستاویزی حیثیت رکھنے والا ادبی میگزین ہے۔ جس میں سکریٹریٹ کے اہلِ قلم عہدیداروں کے علاوہ سکریٹریٹ کے مختلف محکموں میں کام کرنے والے ادب دوست شاعروں، ادیبوں کی تخلیقات شامل ہیں۔ تمام محکموں کی نمائندہ شخصیتوں کے گروپ فوٹوز بھی شامل ہیں۔ اسی

ادبی میگزین کی اشاعت کے لئے مالیہ کی فراہمی کی ذمہ داری اُس وقت کے صدر اسوسی ایشن جناب ایس۔ اے۔ واسع جوائنٹ سکریٹری محکمہ پنچایت راج نے لی تھی۔ جنکا احسان اسوسی ایشن پر ہمیشہ رہے گا۔ اس ادبی میگزین کے مدیر صلاح الدین نیّر ہیں۔ یہ دستاویزی ادبی میگزین ۲۴ راگست ۱۹۷۶ء کو شائع ہوا۔ اُردو اسوسی ایشن کا ایک شعبہ موسیقی بھی ہے جس کے ارکان ہر سال صنعتی نمائش کے موقع پر نمائش کلب میں میوزیکل ورائٹی پروگرام پیش کرتے ہیں۔ ۱۲ رجولائی ۱۹۷۶ء کو پہلا پروگرام ہوا۔ گزشتہ ۲۲ برس سے پروگرامس مل رہے ہیں۔ جناب خواجہ بہاءالدین کے علاوہ مسٹر عباس ہاشمی، شکیل احمد، سلیم خاں وغیرہ ذمہ داری قبول کیا کرتے ہیں۔

سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی سرگرمیاں، مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ ہال سے وابستہ ہوگئی ہیں۔ ادبی جلسے یہیں پر ہوا کرتے ہیں۔ ابتداء میں کئی برسوں تک سکریٹریٹ کے کمیٹی ہال میں اجلاس ہوا کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ جب سکریٹریٹ میں شعر و ادب سے دلچسپی لینے والوں کی کمی ہونے لگی تو جلسوں کے لئے جگہ بدل دی گئی۔ اس صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے انجمن کے ذمہ داروں نے اس بات پر غور کیا کہ کیوں نہ اسوسی ایشن کی تنظیم میں کچھ خوشگوار تبدیلی لائی جائے۔ چنانچہ سرپرست اسوسی ایشن جناب شیروان کمار چیف سکریٹری کی موجودگی میں اسی ہال میں ۷ رمئی ۱۹۸۶ء کو منعقدہ سالانہ جلسے میں یہ اتفاق آراء یہ طئے پایا کہ سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی سرگرمیوں میں ریٹائرڈ عہدیداروں اور اسٹاف ممبر کے ساتھ ساتھ برسر خدمت عہدیداروں اور دیگر ملازمین کو بھی اسوسی ایشن کی سرگرمیوں میں شامل کیا جائے۔

یہ تبدیلی کامیاب رہی۔ اس تبدیلی کا ایک اچھا اثر پڑا۔

پھر ایک بار ۱۸ ڈسمبر ۱۹۹۵ء کو سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی تنظیم جدید ہوئی۔ سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن قدیم کے نام سے سرگرمیاں جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اسوسی ایشن کی رجسٹری (3151/96 ، ۲۶ جون ۱۹۹۶ء) عمل میں آئی۔ اس وقت سرپرست اسوسی ایشن جناب شرون کمار سابق چیف سکریٹری حکومت آندھرا پردیش ہیں۔ نائب صدور میں مسرز غلام احمد، خالد انصاری ایس۔ اے۔ واسع، صادق احمد، ڈاکٹر حسن الدین احمد، سعد حسین سعد رمن راؤ اور خواجہ معین الدین شامل ہیں۔ جناب تراب الحسن ریٹائرڈ آئی۔ اے۔ ایس صدر، صلاح الدین نیر معتمد عمومی، شکیل احمد معتمد اسوسی ایشن ہیں۔ انچارج شعبۂ موسیقی مسرز خواجہ بہاء الدین، عباس ہاشمی اور سلیم خاں ہیں۔ تنظیم جدید کے بعد پہلی تہذیبی تقریب صنعتی نمائش کے موقع پر ۲۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو نمائش کلب میں منعقد ہوئی۔ ۱۲ اگسٹ ۱۹۹۶ء کی شام مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ میں زیر صدارت جناب محمود بن محمد آئی۔ پی۔ ایس سابق سفیر ہند برائے سعودی عربیہ ادبی اجلاس ہوا۔ "سکریٹریٹ ماضی کے آئینہ میں" کے زیر عنوان مسرز صادق احمد سابق صدر اسوسی ایشن، جناب خواجہ معین الدین ریٹائرڈ ایڈیشنل سکریٹری محکمہ ٹرانسپورٹ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ صدر اسوسی ایشن جناب تراب الحسن نے خیر مقدمی اور صلاح الدین نیر معتمد عمومی نے تعارفی تقریر کی اور اجلاس کی کارروائی چلائی۔ معتمد اسوسی ایشن جناب شکیل احمد کے شکریہ پر یہ ادبی اجلاس اختتام کو پہنچا۔ ۱۹۶۸ء میں آندھرا کے ماحول میں تلگو کلچر کے فروغ کے زمانے میں اُردو اسوسی ایشن کا قیام ایک مجاہدانہ کام تھا۔

ہم نے اپنی اخوان الصفا اور حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کے سائبان میں اُردو زبان، اُردو شعر و ادب کو سکریٹریٹ میں بے آسرا ہونے نہیں دیا۔ اسوسی ایشن کی سرگرمیوں کے تسلسل کے پیچھے یہی ایک جذبہ کارفرما ہے کہ جس باب حکومت (سکریٹریٹ) میں اُردو زبان میں سرکاری کام ہوا کرتا تھا، اس کی یاد باقی رہے۔

سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی سرگرمیاں انشاءاللہ بہ وقار انداز میں اپنی پوری تہذیبی روایات کے ساتھ جاری رہیں گی۔ اُردو دشمن اُردو تہذیب دشمن لوگوں کی پرچھائیاں تک پڑنے نہیں دی جائیں گی۔

●●

"خوشبو کا سفر" تو اُس لمحہ سے جاری ہے۔ جب سے میں نے خود کو رفتہ رفتہ محسوس کرنا شروع کیا۔ خود کو محسوس کرنا آسان نہیں ہے لیکن زندگی میں اچانک کچھ ایسے لمحات بھی آتے ہیں جن سے انسان آشنا ہو جاتا ہے اور اس منصب سے اپنے آپ کو روشناس کراتا ہے۔ اس لئے کہ اپنی پہچان کے لئے دوسروں کی شناخت بھی ضروری ہے۔ "خوشبو کا سفر" انسان کو کبھی کبھی ایک مقام پر ٹھہرنے نہیں دیتا۔ مسلسل سفر، حوصلہ، توانائی اور روح کو تازگی بخشتا ہے۔ یہ سفر ازل سے جاری ہے۔ خوشبو کے سفر کی کوئی آخری منزل نہیں ہوتی۔ خوشبو کے سفر میں وہ تمام لوگ صدیوں سے شامل ہیں، جنہیں آج تک نہیں معلوم کہ ان کا سفر کہاں ختم ہوگا۔ "خوشبو کا سفر" میرے جذبات، احساسات، اُمنگوں اور خیالات کا آئینہ دار ہے۔ ●●

(خوشبو کا سفر)

میرا شہر میرے لوگ

اِس شہر کی علمی و ادبی سرگرمیوں سے ہم سب ہی واقف ہیں۔ ہمارے شہر کی معطر فضاؤں میں کیا کچھ نہیں ہے۔ ہمارے اسلاف اُن تمام نعمتوں سے فیضیاب ہو چکے ہیں جو ان کی تقدیر کا حصّہ تھیں۔ ہمیں بھی حسبِ استطاعت وہ سب کچھ مل رہا ہے جو ہماری قسمت میں لکھا ہے۔

معاشرہ میں ہر قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ہر قسم کی سرگرمیوں سے واسطہ رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایسی راہوں کا بھی انتخاب کرنا پڑتا ہے جن پر چلتے ہوئے تھکن کا احساس نہ ہو۔ شعر و ادب کی دنیا بھی عجیب کیف آور ہوتی ہے۔ جب ایک دفعہ اس کی خوشبو سے طبیعت مانوس ہو جاتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ یہ خوشبو ہمیشہ دل و جاں کو مہکاتی رہے۔

ہمارے شہر کی ادبی انجمنیں اپنے اپنے طریقوں سے کام کر رہی ہیں۔ کسی بھی انجمن کے بارے میں منفی رائے رکھنے کا کسی کو بھی حق نہیں پہنچتا۔ لوگ آپس میں ملتے ہیں تو اپنے ہم خیال لوگوں کو پہلے تلاش کرتے ہیں۔ ہماری محفلوں کا انداز بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ ہر انجمن میں شرکت کرنے والے اہلِ قلم، اپنے ذوق کے

مطابق محفلوں کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ ہر انجمن کے شعراء و ادباء کی ایک اپنی فہرست
ہوتی ہے۔ ہم جو ایک دوسرے پر گروپ بندی کا ٹھپہ لگاتے ہیں، میرے خیال میں
یہ درست نہیں ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ہر انجمن کی محفلوں میں ہم خیال شاعر و ادیب
ہی شرکت کرنا پسند کرتے ہیں اور یہی تہذیبی روایات کا یہ سلسلہ برسوں سے چلا
آرہا ہے اور یہ ایک اچھی بات ہے۔ البتہ قباحت اس بات میں ہے کہ ہم ایک
دوسرے پر گروپ بندی کا الزام لگاتے رہیں۔ میں تو یہ کہنا چاہوں گا کہ ہر معترض کو
پہلے اپنا جائزہ لینا چاہیئے اور جب اس کو کسی محفل کو آراستہ کرنے کا موقع مل جائے
تو اس کے ہاتھ میں قلم دیا جائے کہ شعراء اور ادباء کا انتخاب کرے۔ عملاً یہ کام بہت
مشکل ہے مگر فہرست تو بنانی ہی پڑتی ہے۔ میں اپنے ادب دوستوں سے یہ چاہوں گا
کہ اپنے اپنے انداز سے کام کرتے رہیں اور اپنی خوشیاں ترجیحاً اپنے لوگوں میں
بانٹ دیں۔

'ادارۂ میرا شہر میرے لوگ' ایک ایسا ادارہ ہے جس کے نام سے ہی اپنائیت
کا احساس ہوتا ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں تمام محبانِ اُردو اس ادارہ کی سرگرمیوں
میں شامل رہیں۔ بشرطیکہ تحفظِ ذہنی کا مسئلہ نہ پیدا ہو۔ ہم اپنی محفلوں کو ہمیشہ
پاک و صاف رکھتے ہوئے بہتر سے بہتر ادبی تقریب منعقد کرنے پر یقین رکھتے
ہیں۔ ہمارا کاروان رواں دواں ہے۔ ہمارے قافلے کا کوئی مسافر تھکا ہوا دکھائی
نہیں دے گا۔ چونکہ ہم سب ایک ساتھ چلتے ہیں۔ اس لئے ہم سوچتے ہیں کہ سارا
کارواں ہمارا ہے ——— میں شہر کے تمام ادبی حلقوں سے خواہش کرنا چاہوں گا
کہ ہماری محفلوں میں شرکت فرمائیں۔

حیدرآباد میں بہت سی علمی، ادبی، شعری و تہذیبی انجمنیں اور ادارے برسوں سے اُردو زبان کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اُردو زبان کے تحفظ اور اُس کی ترویج و ترقی کے لئے کام کر رہے ہیں، جن کی سرگرمیوں کو بہ نظر استحسان دیکھا جا رہا ہے۔ متعلقہ انجمنوں کے ذمہ داران بہتر سے بہتر انداز میں اپنی انجمنوں کی سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہوئے سرگرم عمل ہیں۔ اگرچہ ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے کچھ ارکان بھی شہر کی بعض انجمنوں اور اداروں سے وابستہ ہیں لیکن مختلف النوع ادبی سرگرمیوں کے باوجود یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ شہر میں ایک ایسی ادبی انجمن بھی قائم کی جائے جس کی ادبی سرگرمیوں میں ہندی اور تلگو زبان کے ادیب و شاعر بھی شریک رہیں، اور اپنے طریقہ کار سے تہذیبی و ہمہ لسانی سرگرمیوں کو بھی فروغ دیتے رہیں۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میں نے "میرا شہر میرے لوگ" کے نام سے کچھ برس پہلے ایک انجمن تشکیل دی جس کی سرگرمیوں کا عملاً آغاز محکمۂ تہذیبی و ثقافتی اُمور حکومت آندھرا پردیش کے تعاون سے مال والا پیالیس (قدیم شہر) میں منعقدہ قومی یکجہتی سہ لسانی اُردو، ہندی، تلگو مشاعرے سے ہوا۔ اس مشاعرے کے انعقاد کے سلسلے میں مجھے ڈائرکٹر کلچرل آفیسرز مسٹر کے۔ وی۔ رمنا چاری (آئی اے ایس) کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔ (مسٹر رمنا چاری میرے شخصی دوست ہیں جو اپنی شعری و ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کے سلسلے میں مجھ سے نہ صرف مشورہ کرتے ہیں بلکہ مجھ سے تعاون کی خواہش بھی کیا کرتے ہیں) یہ مشاعرہ جو ۲۰ر اپریل ۱۹۹۱ء کو مال والا پیلیس میں منعقد ہوا تھا، جناب عابد علیخاں مدیر "سیاست" نے صدارت کی تھی۔ اس مشاعرے میں اُردو، ہندی، تلگو کے مختلف مکتبِ خیال کے (۳۸) شاعروں نے کلام سنایا تھا۔

اس مشاعرہ میں شعراء کو معاوضہ دیا گیا اور شال اُوڑھا کر اُن کی عزت افزائی کی گئی۔ شعراء کو یہ اعزاز جناب عابد علی خاں صاحب کے ہاتھوں دیا گیا۔

"میرا شہر میرے لوگ" سے وابستہ ہندی کے شاعروں میں نہیال سنگھ ورما اور ڈاکٹر اندو وشسٹ قابل ذکر ہیں۔ گیان پیٹھ ایوارڈ یافتہ تلگو کے عظیم شاعر ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی کا بھی ادارہ کو مکمل تعاون حاصل ہے۔ ان کچھ برسوں کے دوران مختلف اوقات میں "میرا شہر میرے لوگ" کے ادبی جلسے اور مشاعرے منعقد ہوتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ کا ایک اہم مشاعرہ جناب عارف قریشی سکریٹری جنرل بزم عثمانیہ جدّہ کے اعزاز میں ۸ ار جولائی ۱۹۹۱ء کو جناب امیر احمد خسرو کی قیام گاہ واقع نوراخاں بازار میں منعقد ہوا تھا جس کی صدارت جناب امیر احمد خسرو نے کی تھی جس میں ڈاکٹر حسن الدین احمد صدر نشین اقلیتی کمیشن حکومت آندھرا پردیش اور جناب عارف قریشی سکریٹری جنرل بزم عثمانیہ جدّہ نے مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ اس نمائندہ مشاعرے کو جناب عارف قریشی نے ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ ریکارڈ کیا تھا۔ اس ویڈیو کیسٹ کی رسم اجراء تقریب بزم عثمانیہ جدّہ کی جانب سے جدّہ میں منعقد ہوئی۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد نے رسم اجراء انجام دی۔

حیدرآباد کے ایک کہنہ مشق شاعر جناب مسعود صدیقی کی یاد میں مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ میں مشاعرہ ہوا۔ جناب راشد آذر نے صدارت کی۔ مسرز امیر احمد خسرو، موہن لال نگم اور سعد حسین سعد نے مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ ۲ ر ستمبر ۱۹۹۱ء کو بہ تعاون محکمہ تہذیبی و ثقافتی

آندھرا پردیش، رویندرا بھارتی تھیٹر میں اعلیٰ پیمانہ پر شام غزل کا اہتمام کیا گیا۔ ڈاکٹر سید عبدالمنان نے صدارت کی۔ دلبوی رمنا مورتی، ڈاکٹر جگدیش کلہ، مالا ابراہیہ، خان اطہر، کلیم خان نے حصّہ لیا۔ ان گلوکاروں نے حیدرآباد کے بقید حیات منتخب شاعروں کا کلام سُنایا۔ مسرز حمایت اللہ اور خواجہ بہاء الدین معاون انچارج تھے۔ جناب اسلم فرشوری نے نظامت کے فرائض انجام دیئے تھے۔ صلاح الدین نیر نے خیر مقدمی و تعارفی تقریر کی۔ جناب رئیس اختر معاون کنوینر تھے۔ ڈاکٹر جگدیش کلہ پروگرام انچارج تھے۔

میں جب بہ حیثیت جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی پسند مصنفین سے وابستہ ہوگیا تو میں نے اپنا زیادہ تر وقت انجمن ترقی پسند مصنفین کی سرگرمیوں کے لئے مختص کیا تھا۔ میں انجمن ترقی پسند مصنفین کا پیلا مقابلہ (۶) سال تک جوائنٹ سکریٹری رہا۔ انجمن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۷ برس کے تعطّل کے بعد ڈاکٹر حسینی شاہد جنرل سکریٹری انجمن ترقی پسند مصنفین کی خواہش پر ۲۴ رمئی ۱۹۸۷ء کو اُردو ہال حمایت نگر میں حیدرآباد کے شاعروں، ادیبوں کا ایک اجتماع ہوا۔ جس کی صدارت ڈاکٹر حسینی شاہد نے کی۔ اس اجتماع میں ایک اڈھاک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جناب واجد آزاد کو کنوینر اور مجھے (صلاح الدین نیر) اور جناب نصرت محی الدین کو جائنٹ کنوینر اور ڈاکٹر حبیب ضیاء کو خازن کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔ اجلاس کے کنوینر کے عہدہ کے لئے میرا نام بھی پیش کیا گیا تھا لیکن میں نے ترجیحاً جناب واجد آزاد

کے لئے اصرار کیا۔ راشد آذر نے کنوینر بننے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ تنظیمی کام انجام دینا مجھ سے ممکن نہ ہو سکے گا۔ اس پر میں نے اصرار کرتے ہوئے کہا آپ ہاں کہہ دیجئے انجمن کی ساری ذمہ داری میں سنبھال لوں گا۔ اڈھاک کمیٹی کا پہلا اجلاس ۱۲ جون ۱۹۸۷ء کو زیر صدارت ڈاکٹر راج بہادر گوڑ اُردو ہال حمایت نگر میں منعقد ہوا۔ اڈھاک کمیٹی کا تیسرا اور آخری اجلاس ۱۰ جولائی ۱۹۸۷ء کو ہوا۔ ۱۷ جولائی ۱۹۸۷ء، ۲۹ جولائی ۱۹۸۹ء اور ۲۲ اگست ۱۹۹۱ء کو دو دو سال کی معیاد کے لئے انتخابات ہوئے۔ ان تینوں انتخابات میں جناب راشد آذر معتمد عمومی کی حیثیت سے منتخب ہوئے اور میں شریک معتمد کی حیثیت سے منتخب ہوا۔ جناب نصرت محی الدین صرف پہلی معیاد یعنی ۱۷ جولائی ۱۹۸۷ء – ۲۸ جولائی ۱۹۸۹ء کے لئے شریک معتمد رہے۔ ہر معیاد کے لئے علی الترتیب مسرز اقبال متین، عاتق شاہ اور محترمہ نجمہ نکہت صدر منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ اور ڈاکٹر حسینی شاہد پہلی معیاد سے ہی سرپرست انجمن رہے۔ تیسری معیاد میں جناب عابد علی خاں بھی سرپرست رہے۔ تیسری معیاد کے لئے جناب رئیس اختر کو معتمد نشر و اشاعت منتخب کیا گیا۔ انتخابات کے لئے ڈاکٹر راج بہادر گوڑ پیانل پیش کیا کرتے تھے۔ انجمن کے جلسوں کی نظامت میرے ذمہ ہوتی۔ بعض جلسوں کی کارروائی انجمن کے بعض عہدیداروں نے بھی چلائی۔ انجمن کے جلسے وقتِ مقررہ پر بغیر کسی تاخیر کے شروع کئے جاتے تھے۔ جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں جناب راشد آذر اور میں ہم خیال رہتے تھے۔ پروگراموں کی ترتیب میں ہم دونوں میں کبھی اختلافِ رائے نہیں رہا۔ نہایت خوشگوار انداز

پیرا باہمی اعتماد کی فضا میں جلسے ہوتے رہے۔ ابتداء میں انجمن کے جلسے اُردو ہال میں ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ یکم اکتوبر ۱۹۸۸ء تک جاری رہا۔ پیروانہ ہال گن فاؤنڈری میں بھی کچھ جلسے ہوئے۔ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۸۸ء سے ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ میں جلسوں کا اہتمام کیا جانے لگا۔

انجمن ترقی پسند مصنفین کی سرگرمیوں کے مزید اظہار اور تشہیر کے لئے ۲۱ر ۲۲ر جنوری ۱۹۸۹ء کو گاندھی بھون آڈیٹوریم اور اُردو ہال میں انجمن کی دو روزہ کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس میں حصہ لینے والوں میں مسرز عابد علی خاں مدیر سیاست، علی سردار جعفری، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر حسینی شاہد، سید عابد حسین، آئی اے ایس رکن پلاننگ کمیشن حکومت ہند، ڈاکٹر قمر رئیس، اقبال متین، راجیو سکسینہ (دہلی)، پروفیسر مغنی تبسم، سری نواس لاہوٹی، عاتق شاہ، نجمہ نکہت، ڈاکٹر صادق نقوی، ڈاکٹر مصطفٰے کمال، ڈاکٹر حبیب ضیا وغیرہ شامل تھے۔

کانفرنس کے افتتاحیہ اجلاس کی نظامت کے فرائض میں نے انجام دیئے اس کانفرنس کے سلسلے میں ایک ادبی سووینیر (انجمن ترقی پسند مصنفین اُردو آندھرا پردیش کا ترجمان) میری اِدارت میں شائع ہوا۔ اس کانفرنس کی شہرت ملک کے سارے ادبی حلقوں کے علاوہ بیرونِ ملک کی اُردو دنیا تک پہنچ گئی۔ انجمن کے ماہانہ جلسوں کی ابتدائی نیوز اور روئیداد کی ترتیب بھی میرے ذمہ تھی۔ اُردو اخبارات میں خبروں کی اشاعت کا انتظام بھی میرے ذمہ تھا۔ حیدرآباد کے اُردو اخبارات "سیاست"، "رہنمائے دکن" اور "منصف" میں انجمن کی خبریں نمایاں طور پر شائع ہوا کرتی تھیں۔ کمیونسٹ پارٹی ہند (دہلی) کے ترجمان

"حیات"، اور "ہماری زبان" (دہلی) میں بھی انجمن کی خبریں پابندی سے شائع ہوتی تھیں۔
ملک کے دوسرے اخبارات میں بھی خبروں کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا رہا۔ شہر کے
ادبی حلقے جانتے ہیں کہ ان چھ برسوں میں انجمن کی سرگرمیوں کے لئے میں کس حد تک اپنے
آپ کو وقف کر چکا تھا۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ انجمن سے میری اور میرے
ہم خیال بعض شاعروں اور ادیبوں کی بے تعلقی کے کچھ عرصہ بعد جب انجمن کی سلور جوبلی
تقاریب ۱۰، ۱۱، ۱۲ مارچ ۱۹۹۵ء کو منعقد ہوئی تھیں تو بعض سابق عہدیداروں کو
نظر انداز کیا گیا۔ یہاں تک کہ کچھ عہدیداروں کے نام شرکت کے دعوت نامے
بھی نہیں بھجوائے گئے۔ افسوس کی بات تو یہ بھی ہے کہ انجمن کے متعلقہ عہدیداروں نے
انجمن کی سرگرمیوں کی رپورٹ میں (جو سلور جوبلی نمبر میں شائع ہوئی ہے) ان چھ برسوں
(۱۷ر جولائی ۱۹۸۷ء تا ۲۲ر اگست ۱۹۹۳ء) کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا بلکہ سر
سے ان چھ برسوں کی سرگرمیوں کا جو بام عروج تک پہنچ چکی تھی) نظر انداز کر دیا
اور اس دور کے بعض اہم عہدیداروں کا کہیں بھی نام نہیں لیا گیا۔ انجمن کے ذمہ داروں
کے لئے ایک اچھی بات تھی کہ انجمن کی سرگرمیوں کے تسلسل کے طور پر ان چھ برسوں
کا بھی ذکر کرتے۔ اس طریقۂ کار کو اپنا کر عمداً انجمن کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے
زیادہ افسوس تو اس بات کا بھی ہے کہ انجمن کے کسی ایک ذمہ دار شخص نے بھی اس
بنیادی غلطی کا نوٹس نہیں لیا۔ البتہ ڈاکٹر قمر رئیس نے اپنی رپورٹ میں ان چھ سال
کی سرگرمیوں کو اس طرح خراج پیش کیا ہے ——

"جہاں تک میرے علم و آگہی کا تعلق ہے گزشتہ ربع صدی (۶ برس مراد ہے)
میں کسی زبان، کسی شہر میں ترقی پسند مصنفین کے جلسے اس اہتمام اور پابندی سے
نہیں ہوئے جس اہتمام اور پابندی سے —— —— —— ——

۔ عہدیداروں کے جلسے حیدرآباد میں ہوئے، نہ صرف جلسے ہوئے بلکہ ان
تفصیلی روئیداد بھی اخباروں میں شائع ہوتی رہی۔ اس کا سارا کریڈٹ انجمن
کی حیدرآباد شاخ کے عہدیداروں کے سر جاتا ہے۔ جنھوں نے نئے بدلتے ہوئے
موسموں کی سختیوں میں بھی انجمن کی مقبولیت اور اس کے متقلی عروج کی اس سنہری
روایت کو زندہ رکھا۔" (اقتباس)

حالانکہ ان چھ برسوں کے دوران ایک دو روزہ کانفرنس بھی ہوئی
اور ایک دستاویزی دبا سوونیر بھی شائع ہوا۔ وہ سنہرا دور محبانِ اردو اور
ترقی پسندوں کو یاد رہے گا۔

انجمن کی چوتھی میعاد کے لئے اگست ۱۹۹۳ء کو اردو ہال میں انتخابات
ہوئے۔ چوتھی میعاد کے لئے بھی میں بلا مقابلہ شریک معتمد منتخب ہوا۔ انتخابات کے وقت
انجمن کا [illegible] سر بدر ہوا تھا۔ اس انتخاب میں جناب رحمٰن جامی کو جو تیسری میعاد کے
لئے نائب صدر منتخب کئے گئے تھے قطعی نظر انداز کیا گیا۔ یہاں تک انہیں رکن عاملہ کی
حیثیت سے بھی منتخب نہیں کیا گیا۔ اجلاس میں کوئی ایک رکن بھی رحمٰن جامی کے حق
میں نہیں تھا۔ مجھے اجلاس کا یہ رویہ پسند نہیں آیا۔ چنانچہ میں نے اجلاس کے فوری بعد
نو منتخب صدر محترمہ نجمہ نکہت کو اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ بعد میں مختلف ذرائع
سے مجھ پر اصرار کیا گیا کہ میں اپنا استعفیٰ واپس لے لوں۔ یہاں تک کہ جناب [illegible]
آذر نے بھی کہا کہ اگر آپ انجمن سے وابستہ نہیں رہیں گے تو میں بھی نہیں رہ سکوں گا۔ دو
ہفتے کے بعد یہ مسئلہ کو عاملہ میں پیش کیا گیا۔ لیکن میں اپنے سابقہ فیصلہ پر قائم رہا
انجمن ترقی پسند مصنفین سے بے تعلقی کے بعد میں نے ادارہ "میرا شہر میرے لوگ" کی

سرگرمیوں کو کچھ زیادہ ہی متحرک کیا۔

اُدارۂ میراثِ شعر میرے لوگ، کے مشاورتی اجلاس (۲۸ ستمبر ۱۹۹۳ء) کی روشنی میں جناب رحمٰن جامی کو صدرِ ادارہ بنایا گیا۔ مجھے معتمد عمومی اور جناب رئیس اختر کو معتمد کی حیثیت سے نامزد کیا گیا۔ ۷ ستمبر ۱۹۹۵ء کو ادارہ کی تنظیم جدید عمل میں آئی۔

افتتاحی اجلاس ۱۸ ستمبر ۱۹۹۵ء بمقام ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش نے افتتاح کیا۔ جناب خلیل الرحمٰن سابق ایم۔پی۔ نے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ ادارہ کی سرگرمیاں اس وقت عروج پر رہیں جب ہم نے مختلف موضوعات پر مذاکروں کا آغاز کیا چنانچہ ادارہ کی جانب سے ادب میں نظریاتی اختلافات آزادیٔ تحریر و تقریر، تنقید کے مثبت و منفی پہلو، ستاروں سے آگے، قول و فعل میں تضاد، ترقی پسندی اور جدیدیت، جامعات میں اُردو، اُردو کے خدمت گزار، اُردو اور روایتی خاموشی وغیرہ جیسے موضوعات پر مذاکرے ہوتے رہے۔ ان مذاکروں میں ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش، پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی ورنگل، پروفیسر وینکٹ راؤ سابق صدر نشین کالج سروس کمیشن حکومت آندھرا پردیش، خلیل الرحمٰن سابق ایم۔پی، ڈاکٹر موہن لال نگم، پروفیسر احمد اللہ خان شعبۂ قانون جامعہ عثمانیہ، ڈاکٹر صادق نقوی ریڈر شعبۂ تاریخ جامعہ عثمانیہ، ہاشم حسن سعید، پرنسپل کالج آف لنگویجس، اور ایسے کئی ممتاز دانشورانِ شعر و ادب حصہ لیتے رہے۔ تمام مذاکروں کے موضوعات بھی اپنے احباب کی مشاورت سے میں

ملے کیا کرتا تھا۔ تمام مذاکروں کی روئیداد خود میں ترتیب دیتا تھا جو شہر کے اُردو اخبارات "سیاست"، "رہنمائے دکن"، اور "منصف" میں نمایاں طور پر دو دو، تین تین کالموں کی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوتی رہیں۔ ان مذاکروں کی شہرت نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونِ ممالک امریکہ، کناڈا، لندن، سعودی عرب اور خلیجی ممالک تک پہنچ گئی۔ اس نوعیت کی محفلیں تقریباً ۱۲ سال تک جاری رہیں۔ جب ہم نے یہ محسوس کیا کہ تقریباً اہم موضوعات پر مذاکرے ہو چکے ہیں تو ہم نے مذاکروں کو ایک نیا موڑ دے کر ایک نئے انداز سے "اُجالوں کے مسافر" اور "اوراقِ ماضی" کے زیرِ عنوان جلسوں کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ ان عنوانات کے تحت جلسوں کے انعقاد سے پہلے ہمیں ایک نئی صورتحال سے گزرنا پڑا۔ بعض ہم خیال دوستوں نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کیا کہ علحدہ علحدہ انجمنوں کے ذریعہ اُردو زبان کی خدمت کی جاتی رہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے طور پر ادارہ سے علحدگی اختیار کر لی۔ ایسی صورت میں ادارۂ "میرا شہر میرے لوگ" کی پھر ایک بار ۲۴ اپریل ۱۹۹۵ء کو [illegible] عمل میں لائی گئی۔ ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی سابق وائس چانسلر تلگو یونیورسٹی، ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش، پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی ورنگل، پروفیسر وینکٹ راؤ سابق صدر نشین کالج سروس کمیشن حکومتِ آندھرا پردیش اور جناب خلیل الرحمٰن سابق رکنِ پارلیمنٹ نے ادارہ کی سرپرستی قبول کر لی۔ صدر، صلاح الدین نیّر، نائب صدر ڈاکٹر علی احمد جلیلی ڈاکٹر صادق نقوی، نہال سنگھ ورما، ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید، ڈاکٹر نادرہ شست، معتمدِ عمومی جناب رئیس اختر، معتمد جناب مومن خاں شوق اور اراکین

عاملہ مسرز ناصر کرنولی، ہاشم حسن سعید، قاضی انجم عارفی، شفیع اقبال، ڈاکٹر راہی، افضل تسلیم، منان منصور، اثر غوری، اور فاروق عارفی ہیں۔

جب ہمارے علحدہ شدہ دوستوں نے اپنی انجمنوں کی سرگرمیوں کا آغاز کیا تو یوں بھی ہوا کہ اس اثناء میں ہمارے ایک شاعر دوست نے شہر کے کچھ شاعروں کی شخصیت پر ایک مقامی اُردو اخبار میں اپنی ایک قابلِ اعتراض نظم چھپوائی۔ اس نظم کا ردِ عمل کچھ اس طرح ہوا کہ ہمارے شہر کے ایک اور شاعر نے جواباً ایک نظم اُسی اخبار میں چھپوائی۔ لیکن اُس کے بعد بھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا، بلکہ حیدرآباد کے ایک نیم مذہبی رسالے میں حیدرآباد کے کچھ شاعروں کے بارے میں (خاکہ کے نام پر) انتہائی اہانت آمیز اور قابلِ اعتراض مضمون شائع کروایا گیا۔ جواباً کچھ مخالف عناصر نے تلخ و غیر شائستہ لہجہ میں تین طویل نظموں کو جنم دیا، جو سینکڑوں کی تعداد میں سارے ہندوستان میں پھیلا دی گئیں۔ اس کا اندازہ یوں ہوا کہ شہر کے اور اضلاع کے بیشتر شاعروں اور ادیبوں نے ان نظموں کا ذکر کیا۔ شہر کے ادبی حلقوں نے پہلی اور دوسری دونوں حرکتوں کے ذمہ داروں کی سخت مذمت کی۔ (یہ واقعہ بھی ہے کہ شہر کے ادبی حلقوں کو پہلی دفعہ اس قسم کی تحریر اور اس قسم کی نظمیں پڑھنے کو ملیں۔

"میرا شہر میرے لوگ" کے ادبی جلسوں کا آغاز ہم اپریل سنہ ۱۹۹۵ء سے پوری توانائی کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اس ادارے کے ادبی جلسوں کے انعقاد کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو منتخب کیا گیا۔ میں نے اپنے احباب کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ "اجالوں کے مسافر" کے زیرِ عنوان بقیدِ حیات

شاعروں، ادیبوں، صحافیوں اور معاشرہ کی بعض اہم شخصیتوں کی خدمات کو خراج پیش کرنے اور مرحوم شاعروں، ادیبوں، صحافیوں کی خدمات کے اعتراف میں "اوراقِ ماضی" کے زیرِ عنوان ادارہ کی سرگرمیوں کا آغاز کیا جانا چاہیئے، تو میرے احباب نے میری اس تجویز کو پسند کیا۔ "اُجالوں کے مسافر" کے زیرِ عنوان تاحال علی احمد جلیلی، ایم۔ یا گار یادی، عبدالرحیم آرزو، محمد غوث، جلیل پاشاہ، عقیل ظفر اور شری نانک رام کے اعتراف خدمات کے جلسے منعقد کئے جا چکے ہیں۔ اسی طرح "اوراقِ ماضی" کے تحت ممتاز شعراء اوج یعقوبی، سلیمان اریب، شاہد صدیقی، خیرات ندیم، اور ممتاز ادیب و محقق پروفیسر سید محمد کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

ادارہ کے زیرِ اہتمام رسم اجراء تقاریب کے علاوہ بعض خصوصی اجلاس بھی منعقد کئے جاتے رہے ہیں۔ رسم اجراء تقاریب میں صلاح الدین نیر کا مجموعہ کلام "کیا کیا جائے" (راج بھون)، جناب بشیر احمد کا مجموعہ کلام "آئینۂ حیات" (ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ)۔ پرنس شجاعت جاہ کے مجموعۂ کلام "شمعِ فروزاں" (قرنِ ولا) اور "فیضانِ رسول" (ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ) (حیدرآباد کے ۳۳ شاعروں کے نعتیہ کلام کا مجموعہ) مرتب صلاح الدین نیر، زیرِ نگرانی جناب عارف قریشی۔ وقار ریاض کے مجموعۂ کلام "قلم بولتا ہے" (ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ) "یادِ رفتگاں" کے سلسلے کے جلسے والاشان معظم جاہ شجیع (ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ) اور عظمت عبدالقیوم کی شاعرانہ عظمت ——— (شاہ منزل رہائش گاہ ڈاکٹر وزارت رسول خاں) منعقد ہوئے۔

ادارہ "میرا شہر میرے لوگ" کے مشاعروں میں ادب دوست حضرات کی خاصی تعداد شریک رہتی ہے ـــــ ہمارے جلسوں کی کامیابی کا سہرا ہمارے شہر کے اردو اخباروں "سیاست"، "رہنمائے دکن"، اور "منصف" کے سر جاتا ہے۔ ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ "میرا شہر میرے لوگ" کے جلسوں کی خبریں نمایاں طور پر شائع ہوا کرتی ہیں جس کے لئے ہم ان تینوں اخباروں کے ذمہ داران کے ممنون ہیں بعض جلسوں کو آل انڈیا ریڈیو (اردو سیکشن) کے پروگرام اگزیکیٹو جناب اسلم فرشوری کی زیر نگرانی اُن کے معاونین کے تعاون سے ریکارڈ کئے گئے۔ اسی طرح اردو نیوز سیکشن کے سربراہ جناب شجاعت علی اور محترمہ رانی (مہ جبین صاحبہ) کے بھی ہم ممنون ہیں۔

ہمارے مشاعروں میں وابستگانِ ادارہ "میرا شہر میرے لوگ" کے مشاعروں کے علاوہ شہر کے بعض نمائندہ شعرا بھی کلام سنایا کرتے ہیں۔ ہم نے اپنی محفلوں کے دروازے ایسے تمام شاعروں کے لئے کھلے رکھے ہیں جو زندگی کی مثبت اقدار کی پاسداری کرتے ہیں ہمارے جلسوں میں صدر و مہمانانِ خصوصی اور مقررین کی حیثیت سے شرکت کرنے والوں کے کچھ نام یہ ہیں۔ ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی، سابق وائس چانسلر تلگو یونیورسٹی، ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش، پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی ورنگل، پروفیسر وینکٹ راؤ سابق صدر نشین کالج سروس کمیشن حکومت آندھرا پردیش، ڈاکٹر موہن لال نگم، ڈاکٹر حسن الدین احمد، محمود بن محمد خلیق الرحمن، پروفیسر مغنی تبسم، پروفیسر احمد اللہ خاں، پروفیسر حبیب ضیا، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال، ڈاکٹر صادق نقوی، نہیال سنگھ ورما، ہاشم حسن سعید، ڈاکٹر اکبر علی بیگ وغیرہ ـــــ شعرائے کرام

کی فہرست کچھ اس طرح ہے۔ سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، امیر احمد خسرو، خواجہ شوق، راشد آزر، ناصر کرنولی، ڈاکٹر صادق نقوی، صلاح الدین نیر، رئیس اختر، نہپال سنگھ ورما، منوہر لال بہار، حسن فرخ، علی الدین نوید، شفیع اقبال، اثر غوری، اکمل حیدر آبادی، قاضی انجم عارفی، منظور احمد منظور، مومن خاں شوق، ڈاکٹر راہی، افضل تسلیم، منان منظور، پرنس شہامت جاہ، نانک سنگھ نشتر، جگجیون لال استھانہ سحر، یوسف یکتا، شاغل ادیب، جوہر ہاشمی، اسیا جی رؤف شاد، پرشوتم پرشانت، ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید، ڈاکٹر اندو وشست، ڈاکٹر ایلیا مشرا وغیرہ ـــــ اضلاع کے بعض شاعر جلال الدین عارف (جڑچرلہ) جمیل نظام آبادی، عبدالرحیم آرزو، محب کوثر، وقار ریاض (گلبرگہ) عبدالعزیز عزیز (محبوب نگر) علیم پرواز (کریمنگر)۔

ادارہ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت میں مزید اضافہ کے لئے ۴ر فبروری ۱۹۹۶ء شاہین نواز ہاں (اشرف ولا) ملے پلی میں ایک مشاورتی اجلاس زیر صدارت صلاح الدین نیر منعقد ہوا۔ یہ طے کیا گیا کہ سالانہ جلسہ کے موقع پر ادبی میگزین شائع کیا جائے جس کے صلاح الدین نیر مدیر ہوں گے۔ اور مجلس مشاورت میں مسرز رئیس اختر، مومن خاں شوق اور منان منظور شامل ہیں۔ جس میں ادارہ سے وابستہ شاعروں کے منتخب کلام کے علاوہ عہدیداران وارکانِ ادارہ کی تصویریں بھی شامل کی جائیں گی۔ اس میگزین میں ادارہ کی سرگرمیوں پر مشتمل روئیدادیں بھی شامل ہیں جن کو معتمد ادارہ جناب مومن خاں شوق نے مرتب کیا ہے۔ میگزین میں معتمدِ عمومی ادارہ جناب رئیس اختر کی رپورٹ بھی شامل ہے ـــ

انجمن کے مالیہ کے استحکام کے سلسلے میں (بہ شکل اشتہارات) جناب منان منظور

رکنِ عاملہ کا تعاون سرِفہرست ہے۔ (جن کا ادارہ ہمیشہ ممنون رہے گا) مسرز فاروق عارفی
ڈاکٹر شنکر، قاضی جاوید عارفی، سعید بھائی (الفلاح)، سید عارف یداللّٰہی، سلطان نہدی،
غلام صادق الدین، رام کمار تیواری، حسینی مشتاق، راجہ رام نواس اگروال، درویش
غیاث الدین، آر۔ نانک رام، جگجیون لال سحر، کا تعاون بھی حاصل رہا۔

اِدارہ کے جنرل سکریٹری جناب رئیس اختر نہایت پابندی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اِدارہ کی محفلوں کی نظامت کے فرائض انجام دیا کرتے ہیں۔ اِدارہ کے مختلف اُمور کا اور ادبی تقاریب کے سلسلے میں بھی اِن کے مشوروں کو اہمیت حاصل ہے۔ اِسی طرح معتمدِ اِدارہ جناب مومن خاں شوق کا ادارہ کو بھرپور تعاون حاصل ہے۔ جناب مومن خاں شوق مشاعرے کی معتمدی کے فرائض نہایت عمدگی اور سلیقے سے انجام دیتے ہیں۔ اِدارہ کی سرگرمیوں میں اِن کا سرگرمِ عمل رہنا، اِدارہ کی مقبولیت اور ارتقاء میں ایک اہم رول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِن دونوں عہدیدارانِ ادارہ کا میں ممنون ہوں ۔۔ اِدارہ کے رکنِ عاملہ جناب منان منظور کی مشاورت ہر اہم فیصلہ کے موقع پر مفید ثابت ہوتی ہے۔ اِن کے علاوہ دیگر ارکانِ اِدارہ کے مشورے بھی ہماری ادبی سرگرمیوں میں معاون ثابت ہوا کرتے ہیں۔ رکنِ عاملہ اِدارہ ممتاز شاعر جناب شفیع اقبال نے اپنے فنِ خوشنویسی سے ہر وقت تعاون کرتے ہوئے اِدارہ کو سرخرو ہونے کا موقع فراہم کرتے ہیں، جس کے لئے اِدارہ اِن کا شکر گزار ہے۔ میں اُردو اکیڈیمی کے تعاون کے لئے بھی ممنون ہوں۔ ●●

حیدرآباد میں انجمن ترقی پسند مصنفین

سرزمینِ دکن کی آب و ہوا میں تاثیر کچھ ایسی ہے کہ یہاں کے رہنے بسنے والے زندگی کے ہر شعبہ میں سرگرمِ عمل رہا کرتے ہیں۔ یہاں کے لوگ اپنی شناخت اپنی پہچان و اپنی انفرادیت کے لیئے اپنا ایک خاص انداز رکھتے ہیں۔ پیار، محبت اس شہر کی شائستہ روایتیں، دکھ درد کو اپنانے کی صلاحیتیں اور ہمہ رنگی رسم و رواج، اپنے بزرگوں کی مقدس امانت کی طرح لوگوں کی زندگی میں رچ بس گئے ہیں۔ ہر شخص زندگی کی حرارت کو محسوس کرتا ہوا معاشرہ میں سانس لینا چاہتا ہے۔ ایسا صحت مند سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

زندگی کے مختلف شعبوں کی طرح ہمارے شہر کی علمی، ادبی و تہذیبی سرگرمیاں کسی بھی دور میں ماند نہیں پڑیں۔ عمدہ روایتوں کا تسلسل آج بھی جاری ہے۔ اب بھی ہمارے شہر میں بہت سی علمی، ادبی و تہذیبی انجمنیں اپنے اپنے طریقوں سے کام کر رہی ہیں۔ نظریاتی اختلافات کے باوجود یہاں ہر مکتبۂ خیال کے ادیب و شاعر اردو زبان و ادب کے نام پر ایک مرکز پر جمع ہو جاتے ہیں اور اس بات کی مخلصانہ کوشش کرتے ہیں کہ اردو زبان، اردو تہذیب اور اردو شعر و ادب کے تحفظ و بقا میں کسی بھی قسم کی کوتاہی نہ ہو۔

ہمارے شہر میں جہاں کلاسیکی اقدار کی پاسداری کرنے والے شاعر و ادیب موجود ہیں وہیں ہم کو ترقی پسند رجحانات کے حامل اور جدیدیت کے ہم نوا بھی ملیں گے۔ یہ قلم کار زبان اور تہذیب و ادب کی بقا کے لیئے وقت پڑنے پر ایک آواز ہو جاتے ہیں۔ ان مکاتیبِ خیال کے اہلِ قلم اپنے شعری و ادبی نظریات کی تشہیر و توضیح کے لیئے محفلیں آراستہ کرتے ہیں۔

حیدرآباد میں بھی ترقی پسند تحریک کی ایک نمایاں تاریخ رہی ہے۔ ترقی پسند تحریک کے روحِ رواں جناب سجاد ظہیر صاحب ۱۹۳۵ء میں انگلستان سے ہندوستان لوٹے تو اُنھوں نے ملک کے نوجوانوں، شاعروں اور ادیبوں کو اس تحریک سے روشناس کرانے کا کام اپنے ذمّہ لیا۔ جناب سبط حسن نے جو اُن دنوں قاضی عبدالغفار کے اخبار "پیام" میں سب ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ حیدرآباد کے نوجوان شاعروں، ادیبوں کو اس تحریک سے وابستہ ہونے کی ترغیب دی۔ جناب مخدوم محی الدین کی سرکردگی میں جولائی ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک سے حیدرآباد کے ایسے بیشتر شاعر و ادیب دلچسپی لینے لگے جن کا مزاج زندگی کی روشن علامتوں اور حیات کی مثبت قدروں سے ہم آہنگ تھا۔ رفتہ رفتہ بہت سے متوازن فکر و خیال کے حامل شاعر و ادیب بلا جھجک اس تحریک سے دلچسپی لینے لگے اور اس طرح ایک کاروان بنتا گیا اور ہر وہ تخلیق کار ترقی پسندوں کے زمرہ میں داخل ہوگیا جو ظلم و استبداد، عدم مساوات، حق تلفی اور صداقت گریزی کے خلاف اپنی آواز بلند کرتا ہو۔ ویسے بھی سورج کو سورج کہنا، اُجالوں کی تمنّا رکھنا، ہنگاموں میں رہ کر بھی زندگی کو تلاش کرنا اور نئی صبح کے لئے رات بھر جاگنا ترقی پسندی ہی تو ہے۔

حیدرآباد میں ۱۹۴۳ء میں مخدوم محی الدین کی سرکردگی میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی شاخ قائم ہوئی۔ جناب عابد علی خاں انجمن کے پہلے سکریٹری منتخب ہوئے جو ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۶ء سکریٹری کی حیثیت سے سرگرم عمل رہے۔ جناب عابد علی خاں کے بعد سلیمان اریب اور پھر اختر حسن انجمن کے معتمد رہے۔ جب ملک تقسیم ہوا، حیدرآباد پر پولیس ایکشن ہوا تو اُس دور کے حالات کی روشنی میں انجمن کی سرگرمیوں کی نوعیت بہت کچھ بدل گئی۔

نئے حالات کے لحاظ سے نئے نئے مسائل سے سابقہ پڑتا رہا۔ پھر چند برس گزرنے کے بعد ممتاز ترقی پسند ادیب ڈاکٹر حسینی شاہد نے انجمن ترقی پسند مصنفین کے احیاء کیلئے ۱۹۷۰ء میں اُردو ہال میں شاعروں اور ادیبوں کا ایک اجلاس طلب کیا۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر حسینی شاہد کو جنرل سکریٹری، ناصر کرنولی کو شریکِ معتمد منتخب کیا گیا۔ جناب میر حسن صدر، اقبال متین نائب صدر منتخب ہوئے۔ اس دوران وقتاً فوقتاً انجمن کے جلسے ہوتے رہے۔ پھر انجمن کی سرگرمیوں میں تعطل پیدا ہو گیا۔

(۱۷) برس کے تعطل کے بعد ڈاکٹر حسینی شاہد نے پھر ایک بار انجمن کی احیاء کے لیے شاعروں، ادیبوں کو اُردو ہال میں جمع کیا۔ ڈاکٹر حسینی شاہد کی خواہش پر ۲۴ر مئی ۱۹۸۷ء کو اُردو ہال حمایت نگر میں حیدرآباد کے شاعروں اور ادیبوں کا ایک اجتماع ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر حسینی شاہد نے کی۔ اس اجتماع میں ایک اڈھاک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جناب راشد آزر کو کنوینر، صلاح الدین نیر اور نصرت محی الدین کو جائنٹ کنوینر اور ڈاکٹر حبیب ضیاء کو خازن کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔ اجلاس میں کنوینر کے لئے میرا نام بھی پیش کیا گیا لیکن میں نے ترجیحاً جناب راشد آزر کے نام پر اصرار کیا۔ جناب راشد آزر نے کنوینر بننے سے انکار کرتے ہوئے کہا، تنظیمی کام انجام دینا مجھ سے ممکن نہ ہو سکے گا۔ تب میں نے تیقن دیا کہ آپ ہاں کہہ دیجئے۔ انجمن کی ساری ذمہ داریاں میں سنبھال لوں گا۔ اڈھاک کمیٹی کا پہلا اجلاس ۱۲ر جون ۱۹۸۷ء کو اُردو ہال میں زیرِ صدارت ڈاکٹر راج بہادر گوڑ منعقد ہوا۔ اڈھاک کمیٹی کا تیسرا اور آخری اجلاس ۱۰ر جولائی ۱۹۸۷ء کو ہوا۔ ۷ار جولائی ۱۹۸۷ء، ۹ ۲ر جولائی ۱۹۸۹ء اور ۲۴ر اگست ۱۹۹۱ء کو دو دو سال

کی معیاد کے لئے انتخابات ہوئے ۔ ان تینوں انتخابات میں جناب راشد آذر معتمدِ عمومی کی حیثیت سے منتخب ہوئے ۔ اور میں شریک معتمد کی حیثیت سے منتخب ہوا ۔ جناب نصرت محی الدین صرف پہلی معیاد (۱۷ر جولائی ۱۹۸۷ء تا ۲۸ر جولائی ۱۹۸۹ء) تک کے لئے شریکِ معتمد رہے ۔ ہر معیاد کے لئے علی الترتیب مسرز اقبال متین، عاتق شاہ اور نجمہ نکہت صدر منتخب ہوئے ۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر حسینی شاہد اور بعد میں عالم خوندمیری صاحب بھی انجمن کے سرپرست رہے ۔ تیسری معیاد کے لئے جناب رئیس اختر کو معتمدِ نشر و اشاعت منتخب کیا گیا ۔ ہر انتخاب کے لئے ڈاکٹر راج بہادر گوڑ مسائل پیش کرتے تھے ۔ انجمن کے جلسوں کی نظامت میرے ذمّہ رہتی ۔ بعض جلسوں کی کارروائی انجمن کے دیگر عہدیداران نے بھی چلائی ۔ انجمن کے جلسے وقتِ مقررہ پر بغیر کسی تاخیر کے شروع کئے جاتے تھے ۔ ایک دفعہ تو صرف ایک سامع کی موجودگی میں جلسے کا آغاز کیا گیا بعد میں لوگ آتے رہے ۔ جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں جناب راشد آذر سے ہم خیال رہتے پروگراموں کی ترتیب میں بھی ہم آہنگی رہتی ۔ نہایت خوشگوار انداز میں باہمی اعتماد کی فضا میں جلسے ہوتے رہے ۔ ابتدا میں انجمن کے جلسے اُردو ہال میں ہوتے تھے ۔ یہ سلسلہ یکم اکٹوبر ۱۹۸۸ء تک جاری رہا ۔ پیروانہ ہال (ڈگن فاونڈری) میں بھی کچھ جلسے ہوئے ۔ ۵ار اکٹوبر ۱۹۸۸ء سے ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ میں جلسوں کا اہتمام کیا جانے لگا ۔

انجمن ترقی پسند مصنفین کی سرگرمیوں کے مزید اظہار و تشہیر کے لئے ۲۱ر ۲۲ر جنوری ۱۹۸۹ء کو گاندھی بھون آڈیٹوریم اور اُردو ہال میں انجمن کی دو روزہ کانفرنس منعقد ہوئی ۔ افتتاحیہ اجلاس کی صدارت جناب عابد علی خاں مدیر 'سیاست' نے کی تھی ۔ کانفرنس میں حصہ لینے والوں میں مسرز علی سردار جعفری، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر حسینی شاہد

قمر رئیس (دہلی)، سید عابد حسین آئی۔ اے۔ ایس، رکن پلاننگ کمیشن حکومتِ ہند، راجیو سکینہ سکریٹری آل انڈیا فیڈریشن آف پروگریسو رائٹرس (دہلی)، اقبال متین، پروفیسر مغنی تبسم سری نواس لاہوٹی، عاتق شاہ، نجمہ نکہت، ڈاکٹر صادق نقوی، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال، ڈاکٹر حبیب ضیاء شامل تھے۔

کانفرنس کے افتتاحیہ اجلاس کی نظامت کے فرائض میں نے انجام دیئے۔ اس کانفرنس کے سلسلے میں ایک ادبی سوونیر (انجمن ترقی پسند مصنفین اُردو آندھرا پردیش کا ترجمان) میری ادارت میں شائع ہوا۔ اس کانفرنس کی شہرت ملک کے سارے ادبی حلقوں کے علاوہ بیرونِ ملک کی اُردو دنیا تک پہنچ گئی۔ انجمن کے ماہانہ جلسوں کی ابتدائی نوٹ اور روداد کی ترتیب بھی میرے ذمّہ تھی۔ اُردو اخبارات میں خبروں کی اشاعت کا اہتمام بھی میرے ہی ذمہ تھا۔ حیدرآباد کے اُردو اخبارات، سیاست، رہنمائے دکن، اور منصف میں انجمن کی خبریں نمایاں طور پر شائع ہوا کرتی تھیں حیات (دہلی)، ہماری زبان (دہلی) کے علاوہ ملک کے اُردو اخبارات میں بھی انجمن کی خبریں شائع ہوتی تھیں۔

شہر کے ادبی حلقے جانتے ہیں کہ ان چھ برسوں میں انجمن کی سرگرمیاں کس قدر فعال تھیں۔ جب میں اور میرے کچھ ہمخیال ساتھی انجمن سے بے تعلق ہوگئے تو کچھ عرصہ بعد انجمن کی سلور جوبلی تقاریب ۱۰، ۱۱، ۱۲ مارچ ۱۹۹۵ء کو منعقد ہوئی لیکن اس کانفرنس کے سلسلے میں کچھ ایسا بھی ہوا کہ اس کانفرنس میں انجمن کے سابقہ سرگرم عمل عہدیداروں کے نام دعوت نامے نہیں ملے۔ انجمن کے متعلقہ عہدہ داروں نے انجمن کی سرگرمیوں سے متعلق رپورٹ جو (سلور جوبلی نمبر) میں شائع ہوئی ہے۔ ان چھ برسوں کی سرگرمیوں کو جو بام عروج پر تھیں، نظرانداز کردیا۔ اُس دَور کے بعض اہم عہدیداروں کا کہیں بھی نام نہیں لیا گیا۔ اس بات کی جناب راشد آزر نے بھی شکایت کی ـــــــــ انجمن کی سرگرمیوں کے تسلسل کے لئے

اِن چھ برسوں کی سرگرمیوں کا ذکر نا انجمن کے مفاد میں ہوتا ۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ انجمن کے کسی ایک ذمہ دار شخص نے بھی اس بنیادی غلطی کو محسوس نہیں کیا۔ البتہ ڈاکٹر قمر رئیس جنرل سکریٹری مرکزی انجمن ترقی پسند مصنفین نے اپنی رپورٹ میں کچھ اس طرح خراج پیش کیا ہے ۔ (سلور جوبلی نمبر ۱۹۹۵ء)

"جہاں تک میرے علم و آگہی کا تعلق ہے گزشتہ ربع صدی (چھ برس مراد ہیں) میں کسی زبان، کسی شہر میں ترقی پسند مصنفین کے اس اہتمام اور پابندی سے نہیں ہوئے جس اہتمام اور پابندی سے ادیبوں کے جلسے حیدرآباد میں ہوئے ۔ نہ صرف جلسے ہوئے بلکہ اِن کی تفصیلی روداد اخبارات میں شائع ہوتی رہی۔ اس کا سارا کریڈٹ انجمن کے حیدرآباد کی شاخ کے عہدیداروں کے سر جاتا ہے جنہوں نے نئے بدلتے ہوئے موسموں کی سختیوں میں بھی انجمن کی مقبولیت اور اسکی تنظیمی روح کی اُس سنہری روایت کو زندہ رکھا۔"

(اقتباس "سلور جوبلی نمبر ۱۹۹۵)

"فیضانِ رسولؐ"

(حیدرآباد کے ۳۳ شاعروں کی منتخب نعتوں کا مجموعہ)

جدّہ (سعودی عرب) کی علمی، ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کے روحِ رواں شہرِ محبت حیدرآباد کی تہذیبی روایات کے پاسدار، اُردو زبان کے بے لوث خدمت گزار جناب عارف قریشی نے جدّہ میں جب ۳؍ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بزمِ عثمانیہ جدّہ کے زیرِ اہتمام عظیم الشان پیمانے پر عالمی مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا تو اُس میں حیدرآباد کے شعراء جناب امیر احمد خسروؔ، صلاح الدین نیرؔ اور رئیس اخترؔ کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ اُس مشاعرہ میں ہندوستان سے بشمول حضرت عمادؔ بارہ بنکوی گیارہ شاعروں نے شرکت کی تھی۔ ممتاز قانون داں بیرسٹر سردار علی خاں نے مشاعرہ کا افتتاح کیا تھا۔ اس تاریخی مشاعرہ کی صدارت مدیرِ "شمع" جناب ادریس دہلوی نے کی تھی۔ اس مشاعرے کے انعقاد کے سلسلے میں ہندوستان میں میزبانی کے فرائض میں (صلاح الدین نیرؔ) نے انجام دیئے تھے۔ ہندوستانی شعراء کے سفر کے سارے مراحل سے میں گذرتا رہا۔

جدّہ میں قیام کے دوران جناب عارف قریشی نے ہم حیدرآبادی شاعروں کے لئے نہ صرف طوافِ خانۂ کعبہ اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے مواقع فراہم کئے بلکہ مدینہ منورہ کے علاوہ دیدارِ گنبدِ خضرا، رسولِ پاکؐ کے قدموں میں بیٹھنے اور دیارِ حبیب کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہونے کا اہتمام کیا۔ ہمیں مکہ اور مدینہ کے تمام اعلیٰ

جناب عارف قریشی جدّہ میں تھے۔ حضرت مرزا شکور بیگ کے مجموعۂ کلام کی اشاعت کے سلسلے میں زیادہ تر فون پر گفتگو ہوتی رہی۔ خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں جناب عارف قریشی کی دی ہوئی ذمہ داری سے بہ حسن و خوبی عہدہ برآ ہو سکا۔ کتاب کی اشاعت کا کام میں نے صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی اور جناب عارف قریشی کے اتحاد کی بنیاد پر بے لوث انداز میں انجام دیا۔ اس اثنا میں اشاعتی پروگرام کے سلسلے میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی۔ مولانا شیخ احمد شطاری کامل کے نعتیہ مجموعۂ کلام کی اشاعت کا مسئلہ درپیش آیا۔ عارف قریشی کی یہ خواہش تھی کہ مولانا کامل کے نعتیہ کلام کا مجموعہ شائع ہو۔ اس سلسلے میں مولانا سید قبول پاشاہ سے تعاون کی درخواست کی گئی لیکن مکمل توجہ دہانی کے باوجود بھی مسودہ میرے حوالے نہیں کیا گیا۔ (عارف صاحب چاہتے تھے کہ ان کے حیدرآباد آنے سے قبل کم از کم کتابت کا کام انجام پائے۔) مولانا قبول پاشاہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ مسودہ ترتیب دیا جائے گا جس کے لئے کچھ زیادہ ہی وقت درکار ہوگا۔ غالباً ان کی مصروفیات کی وجہ سے کوئی صورت نکل نہیں آئی۔ جب عارف صاحب جدّہ سے کچھ دنوں کے لئے حیدرآباد آئے تو انھوں نے قبول پاشاہ سے ربط پیدا کیا تو جواب ملا کہ ایک ڈیڑھ ماہ کا وقت لگے گا۔ عارف قریشی چاہتے تھے کہ فی الفور مسودہ مل جائے تاکہ ان کی واپسیٔ جدّہ (۱۵ر اگست سنہ ۱۹۹۵ء) تک کتاب شائع ہو۔

جب میری کتاب کی اشاعت کا سوال آیا تو میں نے عارف قریشی صاحب سے کہا کہ میری اور مجھ سے متعلق بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ میں نے مشورہ دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اگر آپ پسند کریں تو حیدرآباد کے کچھ نمائندہ شاعروں کی منتخب نعتوں

پر مشتمل مجموعۂ کلام شائع کیا جا سکتا ہے۔ عارف قریشی صاحب کو میری یہ تجویز پسند آئی لیکن مسئلہ وہی تنگیٔ وقت کا تھا۔ (۲۵ دن کے اندر کتاب کی اشاعت)۔ میں نے پورے اعتماد کے ساتھ وقت کا چیلنج قبول کیا اور اپنی ذمہ داری نبھائی ــ یہ اور بات ہے کہ "فیضانِ رسول" کی اشاعت کے تمام مراحل سے گزرنے کیلئے مجھے کافی وقت دینا پڑا ــ "فیضانِ رسول" میں حیدرآباد کے ۳۳ شاعروں کی ۴۴ نعتیں شامل ہیں۔ ●●

زندگی کی سچائی، روشنی کے وجود کی پاسداری اور شگفتہ احساسات میرے ذہن و فکر اور شعور کے عکاس رہے ہیں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس میں میرے تجربات و احساسات بھی ہیں اور معاشرے کی سرگزشت بھی۔ جہاں میں نے اپنے داخلی احساسات اور قلبی واردات کو شعری پیکر دیا ہے۔ وہیں میں نے خارجی ماحول کی عکاسی کرتے ہوئے عصری زندگی کے مسائل کو اپنے ذہنی ردعمل کا اظہار بنایا ہے۔ میں جو کچھ محسوس کرتا ہوں، لکھتا ہوں، محسوس کرنے اور لکھنے کا یہ سلسلہ اسی انداز سے یوں ہی جاری رہے گا۔
زندگی کو سمجھنے کا سلیقہ ہر شخص کو ہوتا ہے لیکن کون کس حد تک سمجھتا اور اس کو برتتا ہے۔ اس کی اپنی فہم اور افتادِ طبع پر موقوف ہے۔ زندگی شروع ہی سے روشنی کی واضح علامت رہی ہے۔ زندگی کا جائزہ اگر مثبت انداز میں لیا جائے تو روشنی کا تسلسل ٹوٹنے نہیں پاتا ــ دوسرے فنونِ لطیفہ کی طرح شاعری بھی ہر سچے فنکار سے اپنا حق مانگتی ہے۔ ہر شئے اپنی شناخت کیلئے سرگرداں ہے شئے کی صحیح پہچان کے بعد ہی سکون کی تلاش شروع ہو جاتی ہے لیکن تسکین کی خواہش ہمیشہ نامکمل رہی ہے

(خورشید شاہد)

ڈاکٹر علی احمد جلیلی

(کم آمیز، کم سخن اور قابلِ احترام شاعر)

یہہ بھی صحیح ہے کہ جب کبھی معاشرہ کے خدوخال کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے تو ہر سطح پر انتشار کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ذہن و فکر کے دریچے وا ہو جاتے ہیں۔ فکر و خیال کی روشنی پھیل جاتی ہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دانشوروں کی پہلی صف میں شامل ہونے کے لئے کم بضاعت لوگ بھی صف بستہ قطار کو توڑ کر آگے بڑھنے کی ناکام کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ قلم کی کاٹ، تلوار کی کاٹ سے زیادہ زود اثر ہوتی ہے۔ صاحبانِ فکر و نظر سے ہم کلام ہونے اور ان کے شانہ بشانہ چلنے کی خواہش رکھتے ہوئے ایسے لوگ پُر خطر راہوں کے پیچ و خم سے گزرتے رہتے ہیں۔ اور وہ ایسے خود ساختہ دانشوروں کے ہم رکاب رہنا چاہتے ہیں جو فہم و ادراک کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے اور ارباب حل و عقد سے ناتا جوڑنے کے لئے پچھلے دروازہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ ادبی کرسی اور مسند نشینی کی ہوس میں آدابِ نشست و برخواست، تہذیبِ گفت و شنید کی نزاکتوں

باریکیوں اور پیچیدگیوں سے ناآشنا رہ کر مضحکہ خیز بن جاتے ہیں۔ زندگی کا ہر وہ شعبہ جو حیات آفریں ہوتا ہے اس تک پہنچنے کے لئے اپنی بے ہنری، کم مائیگی اور کم نظری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

جو لوگ بے تاج بادشاہوں کی طرح علم کی دولت، فکر و خیال کی خوشبو دل و دماغ کی روشنی، ذہن و فکر کی شگفتگی، صبح کے اُجالوں کی طرح لوگوں میں تقسیم کرتے تھے، کم کم نظر آتے ہیں لیکن اس انحطاط اور گرتے ہوئے انسانی و اخلاقی معیار کے باوجود بھی تخلیق کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کبھی چلتی رہتی ہے۔ ریگ زاروں کے طویل اور لامتناہی سفر کے دوران کبھی کبھی ٹھنڈے پانی کے چشمے مل جاتے ہیں۔ گھٹن اور حبس کے ماحول میں تازہ ہوا کے جھونکے مشام دل و جاں کو فرحت بخشتے ہیں۔ یہ ہوائیں تپتے ہوئے حالات میں تازہ دم ہو کر سفر کرنے کی تلقین کیا کرتی ہیں۔

انسان جب مایوس ہو جاتا ہے تو زندگی کے مایوس کن لمحات میں کبھی کہیں نہ کہیں روشنی کی کوئی نہ کوئی کرن پھوٹتی ہے اور زندگی کو اُجالوں کی بشارت دیتی ہے۔ اونچے اونچے پہاڑوں سے آبشاروں کی شکل میں بہتے ہوئے موتیوں کی طرح فطرت شناسی کا دامن بھر جاتا ہے۔ اپنی ذات کا عرفان اپنے فکر و فن کا ادراک جب ایک صاحبِ فکر و فن کو ہو جاتا ہے

تو وہ محتاط روی کے ساتھ اپنے منتخب کردہ راہِ سفر پہ نکل پڑتا ہے۔ راہوں کے پیچ و خم کو دور کرتے ہوئے منزل اُسی کی دُھن میں منزلوں سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔

صاحبانِ فکر و نظر! یہ ساری تمہید ایسے اہلِ قلم کے لئے باندھی گئی ہے جو ہمارے شہر کا ایک بلند مرتبت دانشور ہے، شاعر ہے، ادیب ہے نقاد ہے، محقق ہے اور ایک اُستاد شاعر ہے۔ اُس شاعر کو ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

چاہے کسی کا شخصی خاکہ ہو کہ کسی فن کا جائزہ، اگر لکھنے والے اُس مخصوص شخص سے پوری طرح واقف نہیں تو اُس کے صبح و شام اور اُس کی روزمرّہ زندگی کے بارے میں کھُل کر اظہارِ خیال نہیں کر سکتے۔

ڈاکٹر علی احمد جلیلی کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے، شدّت سے محسوس کیا ہے۔ لیکن میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں اُن کی زندگی کے ہر پہلو سے کما حقّہٗ واقفیت رکھتا ہوں۔ اِن کے کلام کی خوبیوں کی تہوں تک پہنچ چکا ہوں۔ ان کی فکر یا وراں کی نازک خیالی کے سر چشمہ تک میری رسائی ہے۔

دانشورانِ شعر و ادب اِن کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور ان کی شاعرانہ عظمت پر روشنی ڈالتے رہیں گے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے فن اور شخصیت پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ ایسے قد آور تخلیق کار کی شاعرانہ عظمت

کے اعتراف میں بہت کچھ لکھا جانا چاہیئے تھا۔

حیدرآباد کے ادیبوں اور شاعروں کا یہ المیہ ہے کہ بیرونی شاعروں کے مقابلے میں ان پر صاحبانِ فکر و فن کی نظر پڑتی ہی نہیں، اور اگر پڑتی بھی ہے تو سرسری انداز میں۔ دکن والے عدمِ توجہ کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ لیکن وقت یکساں نہیں رہتا۔ کم از کم اب تو ہمیں دیانتداری کے ساتھ اپنے منصب کو پہچاننا چاہیئے۔ اپنے ہونے کا شدت کے ساتھ احساس دلانا چاہیئے۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنے شہر کے شاعروں ادیبوں، دانشوروں اور مختلف علوم و فنون سے وابستہ ماہرین کی خدمات کا کھلے دل و دماغ اور بغیر کسی ذہنی تحفظات کے اعتراف کریں۔ آج ایسی ادبی محفلوں کی سخت ضرورت ہے جن میں صرف اور صرف حیدرآبادی اہلِ قلم کے کارناموں کے بارے میں غور کیا جا سکے۔ اِن کے فکر و فن کا جائزہ لیا جا سکے۔ ہمارے شہر میں اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں۔ ادب میں، تحقیق میں دیگر شعبہ جات سے تعلق رکھنے والی کئی اہم ترین شخصیتیں موجود ہیں اِن پر قلم اٹھانے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک مجھے یاد ہے ڈاکٹر علی احمد جلیلی کو میں نے پہلی بار محبوب نگر کے ٹاؤن ہال میں منعقدہ ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ غالباً وہ صدرِ مشاعرہ تھے۔ جناب عبدالرزاق صولت ایڈوکیٹ نے مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا۔ یہ بات ۲۵ برس پہلے کی ہے۔

روزنامہ "سیاست" میں ۲۵ سال پہلے انڈو پاک کے قدیم و جدید شاعروں کا ایک فیچر شروع کیا گیا تھا۔ یہ کام میرے ذمہ تھا۔ اس سلسلے میں مجھے ڈاکٹر علی احمد جلیلی سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اُن سے ملاقات کے بعد مجھے اس بات کا شدید احساس ہوا کہ اتنے اہم شاعر سے حیدرآباد کے مشاعروں کے شائقین محروم ہوتے جارہے ہیں تب میں نے تہیہ کرلیا کہ اس محترم شاعر کو مشاعروں میں مدعو کیا جانا چاہیئے پابندی کے ساتھ۔ مجھے یاد ہے کہ اُس زمانے میں جناب سعید شہیدی بھی ملازمت کے سلسلے میں اضلاع پر تھے وہ بھی حیدرآباد کے بڑے مشاعروں میں کم کم دکھائی دیتے تھے۔ میری یہ خواہش تھی کہ یہ دونوں شاعر شہر کے اہم مشاعروں میں شرکت کرتے رہیں۔ خاص طور پر گزشتہ زائد از ۲۵ سال سے مشاعروں کے ذریعہ بھی ہم ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے کلام سے استفادہ حاصل کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی ایک اُستاد شاعر ہیں۔ ان کے شاگردوں کی معلنہ اور غیر معلنہ تعداد کا مجھے علم نہیں، البتہ محبوب نگر کے بیشتر شعراء ان کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

ایک ایسا شاعر جو برسوں کلاسیکی ادب سے مانوس رہا ہو، ایک ایسا شاعر جو شاعری کے جملہ رموز و نکات سے واقف ہو۔ فنِ عروض پر گہری نظر رکھتا ہو۔ اعلیٰ درجہ کے اُستادانہ شعر کہتا ہو، ایسے محترم شاعر کے پاس جدید رنگ کے بھی بے شمار اشعار ملتے ہیں۔ حیدرآباد ہی کیا برصغیر کے صفِ اوّل کے شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے ــــــ بغیر کسی تبصرہ و تنقید کے چند شعر پیشِ خدمت ہیں جن سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کس معیار اور کس پایہ کے شاعر ہیں۔

وقت جینے کا خود انداز سکھا دیتا ہے ۔:۔ شاخِ گل چھین کے تلوار تھما دیتا ہے

دشمنی مول تو لی دھوپ سے ہم نے لیکن ۔:۔ دیکھنا یہ ہے کہ سایہ ہمیں کیا دیتا ہے

ہنسو کہ آج ہنسی کی بہت ضرورت ہے ۔:۔ مگر کسی کے لبوں سے نہ چھین کر لاؤ

جی رہے تھے بڑے سلیقے سے ۔:۔ آ گئے وقت کی نگاہ میں ہم

ہر دور میں فریب کے عنوان بدل گئے ۔:۔ شعلوں سے جو بچے تھے وہ شبنم سے جل گئے

پانی کا انتظار ہی کرتی رہی زمیں ۔:۔ بادل سمندروں پہ برس کر نکل گئے

پھولوں نے چرائی ہیں مجھے دیکھ کے آنکھیں ۔:۔ کانٹوں نے بڑی دور سے پہچان لیا ہے

فریبِ نکہت و گلزار سے بچاؤ مجھے ۔:۔ کرم کرو کسی صحرا میں چھوڑ آؤ مجھے

سب یہی کہتے ہیں میں ہوں دوسرا کوئی نہیں ۔:۔ اس صدی کا اس سے بڑھ کر حادثہ کوئی نہیں

میری قناعت کی بلندی سے سبھی مرعوب ہیں ۔:۔ میں کھڑا ہوں ریت پر یہ دیکھتا کوئی نہیں

زندگی یوں مرے ہمراہ رہا کرتی ہے ۔:۔ جیسے جینے کی فقط رسم ادا کرتی ہے

جانے کیوں میری ہی دہلیز پہ آ کر اکثر ۔:۔ گردشِ وقت تھکن دور کیا کرتی ہے

شمعِ محفل ہوں بجھاؤ گے تو پچھتاؤ گے ۔:۔ بجھ گیا میں تو اجالوں کو ترس جاؤ گے

سب پوچھتے ہیں مجھ سے مرے آشیاں کا حال ۔:۔ میں سب سے پوچھتا ہوں کہ گلشن کا کیا ہوا

پھرتا ہوں اپنے نقشِ قدم ڈھونڈتا ہوا ۔:۔ لے کر چراغ ہاتھ میں وہ بھی بجھا ہوا

کون جانے کدھر آتی ہے کدھر جاتی ہے ۔:۔ زندگی ایسے دبے پاؤں گزر جاتی ہے

جس ناگوار بات کا وارث کوئی نہ تھا ۔:۔ وہ بات میرے نام سے منسوب کی گئی

اچھی معاملت یہ مرے ساتھ کی گئی ۔:۔ پردہ اٹھا کے مجھ سے نظر چھین لی گئی

تمام عمر ہتھیلی میں سنسناتا ہے ۔:۔ وہ ہاتھ، ہاتھ میں آ کر جو چھوڑ جاتا ہے

جس نے رخصت کیا تھا وقتِ سفر ؞ وہ نظر ساتھ چل رہی ہے ابھی

چھیڑیئے میں اسے لفظوں کا لبادہ دیدوں ؞ لی ہے انگڑائی تو پھر ہاتھ اٹھائے رکھئے

لاشیں مری پاؤں تلے روندرہے ہیں ؞ میں جن کو بچانے کے لیے قتل ہوا ہوں

دنیا ہے کہ پھولوں کی خوشامد میں لگی ہے ؞ اِک میں ہوں کہ کانٹوں میں لہو بانٹ رہا ہوں

وہ تو یوں کہیئے کہ ہم زد پہ نہ تھے ؞ ورنہ کس کے ہاتھ میں پتھر نہ تھے

علی احمد جلیلی، شریف النفس، منکسر المزاج انسان ہیں۔ اِن کی نرم گفتاری سبک خرامی، اِن کا ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرنا، ان کا اپنا ایک انداز ہے۔ اِن کا یہ ایک ایسا رویہ ہے جو ان کی ذات کا ایک حصّہ بنا ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو میں نے آج تک کسی بھی شخص کے بارے میں غیر ذمہ دارانہ گفتگو کرتے ہوئے[*]، کسی بھی شاعر یا ادیب کے فن پر ان کی تنقید، محتاط روی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب صاحبِ تصنیف کی اُن خوبیوں کی بطورِ خاص نشاندہی کرتے ہیں جن پہ عام قاری کی نظر نہیں جاتی۔ اِن کے تبصرے سلجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اِن کے تبصرے مجھے اُردو کے متوازن ممتاز نقاد پروفیسر احتشام حسین مرحوم کی یاد دلاتے ہیں۔ علی احمد جلیلی ایک کم گو، خاموش طبیعت انسان ہیں۔ نہیں میں نے کسی بھی مسئلہ پر سطحی گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ اپنے قیمتی الفاظ ضائع نہیں کرتے۔ اِن کے تبصروں کی زبان پاک وصاف ہونے کے علاوہ ادبِ عالیہ کا اعلیٰ نمونہ ہوتی ہے۔ کلاسیکی ادب کے گہرے مطالعہ نے ڈاکٹر صاحب کو کندن بنا دیا ہے۔ شعر و ادب کے ہر موضوع پر اظہارِ خیال کی قدرت رکھتے ہیں۔ علمی و ادبی محفلوں سے وابستگی اِن کا مسلک ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہر شخص سے حسبِ مراتب ملا کرتے ہیں۔ اِن کے رکھ رکھاؤ میں

[*] میں نے دیکھا اُن کا انداز ہمیشہ مشفقانہ رہا ہے

نٹ ورک کے مشاعروں میں کلام سناتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کے فن اور شخصیت پر عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے ایم۔ فل کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریباً تمام مطبوعات پر ملک کی اُردو اکیڈیمیوں نے انعامات سے نوازا ہے اِن کی بعض اہم کتابیں یہ ہیں شاعری میں، غزلوں کے تین مجموعے "نقشِ قدم" "شہرِ تمنا" اور "منظر منظر" ـــ نظموں کا مجموعہ "اندھیرے اُجالے" نثر میں تین کتابیں تنقید پر "غزل میں منفی رجحانات" ـــ "فصاحت جنگ جلیل ـ حیات و فن"۔ "بُت خانہ جلیل" (تحقیق باز یافت) اُردو کا عروض اس کے علاوہ ہے۔

علی احمد جلیلی کی پہلی غزل اُس وقت شائع ہوئی جب وہ میٹرک کے طالب علم تھے۔ ابتداء میں اپنے والدِ محترم اُستادِ سخن حضرت فصاحت جنگ جلیل کو اپنا کلام دکھلاتے تھے۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر علی احمد جلیلی ایسے شاعر ہیں جو دامانِ شعر و ادب میں ہمیشہ مہکتے رہیں گے گلِ تازہ کی طرح ـــ! ••

کہتے ہیں کہ غزل میں موجِ صبا کی انگڑائیاں، شبنم کی رعنائیاں، شعلوں کی لپک، کلیوں کی مہک اور پھولوں کی تازگی ملتی ہے لیکن میں نے چاندنی راتوں کا سہاگ، بھیگی برسات کا خمار اور گلابی جاڑوں کی مستی محسوس کی ہے۔

اِنسان کی زندگی، فطرت کی روشنی اور دھندلکے سے جنم لیتی ہے۔ ہر انسان اپنی دنیا کا خالق ہے یا یوں کہیئے کہ اس کی ایک علحدہ دنیا ہوتی ہے۔ زندگی مسکراہٹوں اور آہوں کا نام ہے۔ میں نے زندگی کو ہمیشہ اپنے مقابل پایا۔ آنسوؤں میں بھی میں نے مسکرانا سیکھا ہے۔ • (گلِ تازہ)

اُردو تہذیب کا نمائندہ شاعر
منوہر لال بہارؔ

چند مہینے پہلے جناب منوہر لال بہارؔ مجھ سے ملنے کے لئے دفتر سیاست آئے اور کہا کہ میں اپنی عمر کی آخری منزل میں ہوں۔ میری عمر (۸۱) برس کی ہو چکی ہے۔ اب مجھ میں اتنی طاقت نہیں رہی کہ میں اپنے مجموعۂ کلام کی اشاعت کے لئے کچھ کر سکوں میں چاہتا ہوں کہ آپ میری کتاب کی ترتیب و تزئین کے علاوہ اشاعت کے تمام مراحل کے سلسلے میں مجھ سے تعاون کریں۔ یہ کہتے ہوئے بہارؔ صاحب نے مسودہ میرے حوالے کیا۔ میں نے اپنے دیرینہ روابط کی تجدید کے لئے ذمہ داری قبول کی۔

زائد از (۳۰) برس پہلے کی بات ہے کہ منوہر لال بہارؔ صاحب سے میری پہلی ملاقات بزمِ قدرِ ادب کے ایک مشاعرہ کے سلسلے میں اُن کے مکان واقع حسینی علم میں ہوئی تھی۔ میں بزمِ قدرِ ادب کا معتمد تھا۔ بہارؔ صاحب کے ڈرائینگ روم میں منوہر لال خنازؔ بھی موجود تھے۔ وہ زمانہ میری شاعری کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اُس وقت پرانے شہر میں قدرِ ادب، بزمِ کامل، زاویۂ ادب، سفینۂ ادب، بزمِ جیونؔ، بزمِ سعدی، اور بزمِ اتحاد الشعراء جیسی کئی ادبی انجمنیں سرگرم عمل تھیں جن کے زیر اہتمام تقریباً ہر ماہ پابندی سے طرحی و غیر طرحی مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے۔ جناب منوہر لال بہارؔ ہم سے بزرگانہ شفقت سے ملے۔ اس پہلی ملاقات میں، میں نے محسوس کیا کہ یہ دونوں

شاعر (منوہر لال بہار اور منوہر لال شارب) حیدرآبادی تہذیب کی نمائندہ شخصیتیں ہونے کے علاوہ کامیاب شاعر بھی ہیں، پھر میں نے ان دونوں کو شہر کے اور اضلاع کے کئی مشاعروں میں اپنے افکار کے موتی لٹاتے ہوئے دیکھا۔ بہار صاحب سے میرے مراسم بڑھنے لگے۔ میں اُس دور کے اساتذۂ سخن کی طرح منوہر لال بہار کا بھی احترام کیا کرتا تھا اور اُن سے مشاعروں میں شاعرانہ آداب و تہذیب کے ساتھ ملتا تھا۔ اُس زمانے میں پُرانے شہر کی شعری محفلوں میں علامہ نجم آفندی، علامہ قدر عریضی، مولانا کامل شطاری، حضرت تاج قریشی، جناب اوج یعقوبی اور جناب خواجہ شوق جیسے اساتذۂ سخن کا شہرہ تھا۔ جناب سعید شہیدی اور ڈاکٹر علی احمد جلیلی اپنی ملازمت کے سلسلے میں اضلاع پر تھے۔ حیدرآباد میں اِن شعرائے کرام سے کلام سُننے کا موقع بہت کم ملتا تھا۔ مجھے یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ میں اِن قابلِ احترام اساتذۂ سخن کی موجودگی میں اپنا کلام سُناتا رہا۔ اُن ہی دنوں شہر کے مشاعروں میں علامہ حیرت بدایونی، شاہد صدیقی اور خورشید احمد جامی جیسے مستند شاعروں کے ساتھ بھی کلام سُنانے کا شرف حاصل رہا۔ یہ صاحبانِ فکر و فن داد و تحسین سے نوازتے ہوئے حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ اُس دور کے نوجوان شاعروں کے ساتھ اساتذۂ سخن کا مشفقانہ سلوک بھی رہا کرتا تھا۔ وہ اپنے شاگردوں اور نوجوان شاعروں کی حوصلہ افزائی میں فراخدلی کا ثبوت دیا کرتے تھے۔

منوہر لال بہار کو میں نے پُرانے شہر کی تقریباً تمام شعری محفلوں میں پسندیدہ شاعر کی طرح پایا۔ نئے شہر کے مشاعروں میں بھی اُنھیں داد و تحسین سے نوازا جاتا رہا۔ کبھی کبھی اُس دور میں منوہر لال بہار، جام و مینا کا دامن تھامے ہوئے عالمِ مدہوشی میں مشاعروں

میں شریک ہوا کرتے تھے لیکن میں نے اُنہیں کبھی بھی آدابِ محفل کو نظر انداز کرتے ہوئے نہیں پایا۔ آج بھی وہ اپنے ساتھی شاعروں میں مقبول ہیں۔ بہارؔ صاحب عمر کی اِس منزل میں بھی ترنم سے شعر سُناتے ہیں۔ اُن کا ترنم ایک مخصوص شاعرانہ تہذیب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ بہارؔ صاحب کو نہ صرف غزلوں کے طرحی و غیر طرحی مشاعروں میں سُنتا رہا ہوں بلکہ اُنہیں میں نے کئی نعتیہ و منقبتی محفلوں میں کلام سُناتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ بہارؔ صاحب کو تمام اصنافِ سخن میں شعر کہنے کا ملکہ حاصل ہے۔ بہار صاحب نے کئی کُل ہند مشاعرے پڑھے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو کے علاوہ دور درشن سے بھی کلام سُناتے رہتے ہیں۔

حسبِ مراتب شعراء سے ان کے روابط ہیں۔ چاہے سینیئر شاعر ہوں کہ جونیئر شاعر اگر ان کا کلام پسند آجائے تو وہ کھُل کر داد دیتے ہیں۔ خاص طور پر نوجوان شاعروں کی حوصلہ افزائی میں وہ بُخل سے کام نہیں لیتے۔

منوہر لال بہارؔ کا شمار حضرت فصاحت جنگ جلیلؔ کے نمائندہ شاگردوں میں ہوتا ہے۔ وہ جلیل اسکول سے اپنے آپ کو وابستہ کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔ کلام میں ایک اُستادانہ شان جلوہ گر ہے۔ فنی حُسن اور آدابِ شعر کے رموز و نکات سے بہرور ہیں۔ اندازِ بیان شگفتہ ہے۔ اسلوب میں چاشنی ہے۔ دل کو چھونے والے شعر کہتے ہیں۔ لب و لہجہ میں سادگی کے ساتھ ساتھ پُرکاری، گیرائی و گہرائی ہے۔ کلام پُر اثر ہونے کے علاوہ دُور از کار استعارات و تشبیہات سے پاک و صاف۔

میں نے بہارؔ صاحب کے تمام شعری مجموعے پڑھے ہیں۔ ۳۰، ۳۲ برسوں سے اُنہیں مشاعروں میں سُنتا رہا ہوں۔ اُنہوں نے اپنی شاعرانہ وضع داری میں فرق آنے نہیں دیا۔ کلاسیکی رنگ میں ڈوبے ہوئے شعر تو ہوتے ہی ہیں لیکن ایسے اشعار بھی پڑھے

اور سُننے کو ملتے ہیں جو عصری حیثیت سے بھی ہم رشتہ ہیں۔

بہار صاحب ایک یار باش انسان ہیں۔ میں نے اپنے شاعرانہ اس طویل عرصے میں کسی بھی مسئلہ پر بھی اُنہیں اُلجھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ شعر و ادب کے مسائل پر سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کرنے کے عادی ہیں۔ اِن (۳۰) برسوں میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی لیکن بہار صاحب پر سرد گرم موسموں کا اثر نہیں پڑا۔ اُنہوں نے اپنی کج کلاہی پر حرف آنے نہیں دیا۔ وضع داری کے اِس منفرد انداز نے اِن کی شخصیت کو اور با وقار بنا دیا ہے۔

بہار صاحب کے تاحال کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں ملک کی کئی اُردو اکیڈیمیوں نے اِن کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے اُنہیں ایوارڈز سے نوازا ہے دو سال پہلے کل ہند اُردو تعلیمی کمیٹی کی سالانہ تقاریب کے کل ہند افتتاحیہ اجلاس کے موقع پر حیدرآباد کے گیارہ بزرگ شاعروں کو اعزازات دیئے گئے اُن میں منوہر لال بہار بھی شامل تھے۔ یہ اعزازات صدر نشین مرکزی فینانس بورڈ جناب کے سی پنت اور جناب غلام نبی آزاد مرکزی وزیر سیاحت کے ہاتھوں دیئے گئے۔

پیرانہ سالی کی وجہ سے بہار صاحب کا چلنا پھرنا ایک مشکل مسئلہ بن گیا ہے اِس کے باوجود وہ یہ محسوس ہونے نہیں دیتے کہ ان پر طویل عمر کی تھکن طاری ہے۔ میں بہار صاحب کی دل کی گہرائیوں کے ساتھ عزت کرتا ہوں۔ ایسے وضع دار لوگ کم ہوتے جارہے ہیں۔ خدا کرے کہ اِن کی عمر دراز ہو اور وہ اِسی طرح اُردو شعر و ادب کی خدمات انجام دیتے رہیں۔ ••

خوشبوئے غزل

(تہذیبِ نظر کی شاعرہ۔ فاطمہ تاج)

روشن مستقبل سے فیضیاب ہونے والی نایاب شخصیتیں چاہے وہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلق کیوں نہ رکھتی ہوں کسی نہ کسی طرح اپنے فکروفن کی روشنی پھیلاتی ہوتی ہیں باصلاحیت اور باشعور ہونے کا احساس دلاتی رہتی ہیں اور پھر ان شخصیتوں کی ہُنرمندی، پتھر کو آئینہ، مٹی کو سونا، کانٹوں کو پھول اور تاریکیوں کو اُجالوں کا لباسِ فاخرہ پہناتی ہوں۔ اُن کے دل و دماغ کی روشن لکیریں سارے ماحول کو پُرنور بنا دیتی ہیں، جن کے جذبات، خیالات، مشاہدات اور تجربات کی تیز رَو معاشرہ کے رگ و پے میں کچھ اِس طرح وسعتیں در آتی ہے کہ صبح و شام، روز و شب اور تمام ساعتوں کی پُربہار وسعتیں کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں پھیل جاتی ہیں۔ اپنے وجود اپنی شخصیت کو منوانے والے ایسے لوگ مشاہدات اور تجربات کی گلیوں اور شاہراہوں سے گزرتے ہوئے نظر شناسوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں، اُن پھولوں کے لئے جو تمام صحنِ چمن کو تازگی سے عطر بیز کرتے ہوئے اپنی فطری خوشبو سے مہکاتے ہیں۔ ان تمام زرفشاں لمحات سے ایک ایسے فنکار کی ذات بھی وابستہ ہو جاتی ہے جس کو قدرت نے گل فشانی سے نوازا ہے۔ شعر و ادب کے نبض شناسوں، تہذیبی اقدار کے پارکھوں اور قدرت کی انمول

نعتوں کو دوسروں تک پہونچانے والوں کی دنیا عجیب ہوتی ہے جو کبھی تو پھول برساتی ہے اور کبھی آنسو بہاتی ہے ۔ فنکار کی دنیا پُر ہجوم ہنگاموں میں رہ کر بھی تنہا رہتی ہے، تنہا رہ کر بھی گردشِ دوراں کی ہم رکاب ہوتی ہے۔ تمام موسموں کی نرمی و گرمی سے گزرتی ہوئی فنکاروں کی ذات مشکل پسند دکھائی دیتی ہے۔ اس کی ساری جولانیٔ طبع، تلاش پر مرکوز ہوتی ہے۔ تلاش، تجسس، جستجو اور کچھ اور کی خواہش ہی تخلیق کار کو جینے کا حوصلہ دیتی ہے ۔ دیدہ ورو بلند قامتوں اور رمز شناسوں کی طویل فہرست میں کچھ ایسی شخصیتوں کے نام بھی ملتے ہیں جو اپنی ذات اور پہچان کے لیے شخصی کاوشوں اور ذاتی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ جن کی سوچ و فکر کی گرمی، تہذیبِ نظر کی پاکیزگی اور حسنِ طبیعت کے پُر اثر نقوش نے دامانِ شعر و ادب کو عطر بیز کر دیا ہے ایسی ہی فہرست میں ایک نام فاطمہ تاج کا شامل ہے ۔

فاطمہ تاج نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، لب کشائی کی، بولنا سیکھا، رینگنا اور چلنا شروع کیا وہ ماحول علم پرور بھی تھا، فن گزیدہ بھی ۔ روشن خیال بھی تھا، بنیاد پسند بھی ۔ لیکن فطرت کی بلند قامتی نے فاطمہ کو بلند پروازی کے لیے اکسایا، حوصلہ افزا اور دامن کشاں دونوں قسم کے حالات میں فاطمہ نے اپنے کو زندہ رکھا ۔ تہذیب علم و فن نے شخصیت کے خد و خال کو نکھارا۔ ابتدائی دنیا جو پھول چننے اور دامن چھڑانے کے معصوم جذبوں سے بے بہرہ تھی۔ فاطمہ کے فکر و خیال میں رنگ بھرنے لگی۔ کاغذ کے سینکڑوں پرزے، لکھنے، مٹانے، سنبھال سنبھال کر رکھنے اور چاک کرنے کے عمل نے راحت فزا کشمکش سے اپنی پہچان بڑھائی

ان میں کچھ پرزوں کو تو ہوائیں لے اڑیں اور کچھ پرزے فنکار کے دامن سے لپٹے رہے۔ دامن سے لپٹے ہوئے پرزوں کو اکٹھا کرنے کی خواہش موسم کی گرم ہواؤں سے نظریں ملاتے ہوئے آگے بڑھتی رہی۔ تازہ ہواؤں کی حیات افروز لہروں نے خیالات میں جولانی اور قلم میں روانی پیدا کر دی۔ قرطاس و قلم کا یہ رشتۂ دیرینہ اور مضبوط ہونے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فیض رسانِ الہامی بشارتوں نے آبِ رواں کی طرح آئینہ صفت، پاک و شفاف تحریروں کو جنم دیا۔ وہ تحریریں جو شعر و ادب کی دنیا میں ان گنت رنگ کے پھول کھلانے کا مژدہ سنانے والی تھیں کبھی عیاں ہو کر اور کبھی نہاں ہو کر ظہور پذیر ہونے لگیں۔ اسی طرح دھوپ چھاؤں کے ماحول میں دن گزرتے گئے۔ منتشر تحریروں اور منظم تخلیقات کے ذخیروں میں اضافہ ہوتا گیا۔ پھر نظریں لگنے اور نظروں کو چکا چوند کرنے والے حالات نے لہلہاتے ہوئے پودوں کی بالیدگی، کلیوں کے پھول بننے کے فطری عمل کو دشوار گزار مرحلوں کے حوالے کر دیا۔ پھر بھی فنکار کی ہمت نہیں ٹوٹی۔ فنکار زندہ رہا۔ کل کا پودا آج کا تناور درخت بننے کے لئے فضاؤں کے دوش پر اُڑ رہا ہے۔ موسم سازگار ہے۔ حالات موافق ہیں۔ فطرت ساتھ دے رہی ہے۔ شوق و ذوق کی اس تازہ روی نے پیچ پیچ راستوں کو بھی ہموار بنا دیا ہے۔ موسمِ بہاراں کی معطر فضا، تلاشِ مسلسل کی منزلوں سے روشناس کروا رہی ہے۔ ایسا منصب اُن ہی قلمکاروں کے حصّہ میں آتا ہے جن پر خدا ہمیشہ مہربان رہتا ہے۔ فاطمہ تاج پر بھی خدا مہربان ہے۔ ان کا شعری و ادبی سفر جاری ہے خوشبو کے سفر کی طرح۔

فاطمہ تاج محفلِ خواتین کی دین ہیں۔ اس محفلِ خواتین، شعر و ادب کے پیرہن تازہ

کو آراستہ کرنے کا پہلا زینہ ہے۔ روزنامہ "سیاست" نے فاطمہ تاج کو مادر مہرباں کی طرح کھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ مختلف موضوعات پر نمایاں طور پر تحریریں شائع ہوئیں۔ غزلوں کی اشاعت کے لئے بھی سیاست کا دامن ہمیشہ کشادہ رہا۔ دانشورانِ فکروفن کی حوصلہ افزائی نے قلم کو طاقت بخشی، ذہن و فکر کو تازگی عطا کی۔ لکھنے اور سنانے میں اعتماد پیدا ہوگیا۔ پھر وہ منتشر تحریریں جو مختلف پرزوں کی شکل میں محفوظ تھیں کتابی شکل اختیار کرنے لگیں۔ یہ تحریریں کبھی شعر کی صورت میں اور کبھی نثر کی شکل میں منظرِ عام پر آتی رہیں۔ چار کتابوں "اب کے برس" (شاعری)، "امانت" (مضامین، خاکے وغیرہ)، "آس پاس" (افسانے) "دلاسا" (طنز و مزاح) کے بعد پانچویں کتاب "خوشبوئے غزل" (شاعری) ۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۴ء میں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

فاطمہ تاج نے بھی بعض اہم فنکاروں کی طرح اپنے لئے ایک الگ راہ بنائی ہے۔ تین برس میں (۶) کتابوں کی اشاعت، فاطمہ تاج کی شعروادب سے گہری وابستگی جولانیٔ طبع اور مستقل مزاجی کی زندہ نشانی ہے۔ فاطمہ تاج کی تیز روی یہ کہنا چاہتی ہے کہ "کل کس نے دیکھا ہے"۔ فاطمہ تاج نے جہاں ایک باصلاحیت ادیب کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں اپنی مقبولیت کے بے شمار چراغ روشن کئے ہیں وہیں ایک باشعور شاعرہ کی حیثیت سے بھی اپنا ایک اونچا مقام بنا لیا ہے۔ فاطمہ کی زود گوئی چاہے نثر میں ہو کہ شاعری میں اپنی مثال آپ ہے۔ برجستگی فاطمہ تاج کا ایک خاص وصف ہے۔ کوئی موضوع کیوں نہ ہو آپ کی دسترس سے باہر نہیں ہے۔ ہر موضوع پر قلم برداشتہ لکھنے پر قادر ہیں۔ نثر کی روانی

جہاں آبشاروں اور جھرنوں کی طرح ظہور پذیر ہوتی ہے وہیں پُر اثر اور بامعنی اشعار
موتیوں کی لڑیوں کی طرح شعر و ادب کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے ہیں۔
خوشحال گھرانے کی اس معزز خاتون نے اپنے فطری ذوق و شوق
کی آبیاری کے لئے شعر و ادب کو اپنا رفیق بنا لیا ہے۔ اپنا دوست بنا لیا ہے اور
ایسا دوست جس کے حُسنِ سلوک نے خوشگوار اور پاکیزہ ماحول میں خوش اسلوبی
سے جینے کا ہنر سکھایا۔ شعر و ادب کی بے ضرر دل و دماغ کو ٹھنڈک پہنچانے والی
مصروفیات نے گھر کے ماحول میں بھی شائستگی و شگفتگی اور تہذیبِ نظر کو فروغ
دیا۔

فاطمہ تاج کی کامیاب ازدواجی زندگی نے پُرسکون ماحول کو جنم دیا۔ تعلیم
یافتہ اور زیرِ تعلیم خوش مزاج، خوش خصال، خوش نظر، ذہین و باشعور مشرقی
تہذیب کے پروردہ، علم و ہنر سے آراستہ لڑکے اور لڑکیوں نے ڈھیر ساری
خوشیاں ماں باپ کے قدموں میں ڈال دی ہیں۔ گھر کے سلجھے ہوئے ماحول نے
ہمیشہ تبسم ریز مسرتوں سے ہمکنار کیا ہے۔ پلکیں بھیگنے نہیں دیا۔

فاطمہ تاج اپنی ساتھیوں میں بے حد مقبول ہیں۔ بہترین شاعرہ، ایک کامیاب
ادیب کی حیثیت سے ہی نہیں ایک اچھی دوست اور بامروت، ہمدرد کی حیثیت
سے بھی شہر کی بیشتر معزز خواتین سے فاطمہ تاج کی رسم و راہ ہے۔ سبھی فاطمہ
کو پسند کرتی ہیں۔ فاطمہ کی سنجیدگی سے زیادہ بذلہ سنجی سے محظوظ ہوتی ہیں فاطمہ
تاج ایک منتظم مزاج، حوصلہ مند خاتون ہیں۔ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں میں
بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں میں بہتر اضافہ کے لئے

سرگرداں رہتی ہیں۔ فاطمہ تاج کی طبیعت میں جلد بازی بھی ہے اور ٹھہراؤ بھی لیکن اکثر مقامات پر جلد بازی مقررہ حدود سے بھی آگے نکل جاتی ہے۔ کل کس نے دیکھا ہے کہتے ہوئے ہر مفوضہ کام کو بہ عجلت تمام سرانجام دینا چاہتی ہیں۔ انہیں محفلِ خواتین کی سرگرمیوں سے بے حد دلچسپی ہے۔ فاطمہ تاج کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے بھی محفلِ خواتین کی اراکین کا اضافہ ہوا ہے۔ مطمئن زندگی نے فاطمہ کو ادبی خدمات کرنے کا موقع فراہم کیا۔ علم و فن سے وابستگی نے سرگرمِ عمل رکھا۔ فاطمہ کے پُرسکون اور آسودہ حالات نے بھی کتابوں کی اشاعت کا شوق پیدا کیا۔

"خوشبوئے غزل" فاطمہ تاج کا دوسرا مجموعہ کلام ہے جس میں حمد، نعت، سلام کے علاوہ ۲۰۶ غزلیں شامل ہیں۔ کتاب کی ترتیب و تزئین خود فاطمہ نے کی ہے۔ فاطمہ کے کلام میں وہ تمام شعری خوبیاں موجود ہیں جو ایک باذوق قاری کی تسکین کا باعث بن سکتی ہیں۔ ہر مکتبِ خیال کا قاری فاطمہ کے کلام کو پسند کرے گا۔ فاطمہ تاج کے کلام میں زندگی کی روشن حقیقتیں ہیں جو سماج کی بے راہ روی اور ظلم کے خلاف احتجاج کرنا، حق کے لئے آواز اٹھانا اور پیاسوں کی پیاس بجھانے کے لئے دریا کی روانی کا خیر مقدم کرتی ہیں۔ چاہے وہ پھولوں کی رہگذر ہو کہ کانٹوں کی شاہراہ، فاطمہ کے ہاں دم لینے کا تصوّر نہیں ہے۔ مسلسل چلتے رہنا فاطمہ کی طبیعت کا خاصّہ ہے۔ تلاشِ منزل فاطمہ کے فکر و فن کا ایک ناگزیر عمل ہے۔ تلاش، جستجو ایک مطمعِ نظر ہے۔ فاطمہ اپنے سفر میں پامردی، جراءت، حوصلہ اور مستقل مزاجی کے ساتھ قدم بڑھا رہی ہیں۔

میری ہمیشہ یہ خواہش رہے گی کہ فاطمہ تاج کی شہرت، ارتقائی منازل

ملنے گرتی رہے اور ان کا نام شعر و ادب کی دنیا میں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے۔ خدا کرے کہ فاطمہ کے قدم کہیں نہ رکیں۔ علم و ادب کی یہ شمع یوں ہی جلتی رہے۔ بہتر سے بہتر کی خواہش زندہ رہے۔ ہر قدم کامرانی کی طرف بڑھے۔ سفر جاری رہے اس یقین کے ساتھ کہ :-

آبلہ پائی سے گھبرا کر نہ کر ترکِ سفر
پاؤں جب دہلیز پر ہونگے تو آنگن آئے گا (زبیر)

●●

دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ

عالمی اُردو کانفرنس کی سرپرستی میں دہلی کی ایک فلاحی اور تعلیمی انجمن دہلی ویلفیر ایجوکیشنل اینڈ کلچرل اُتر پردیش کے زیرِ اہتمام ۱۹ر مارچ ۱۹۹۴ء کو نئی دہلی کے ایوانِ غالب میں ایک عظیم الشان کل ہند مشاعرہ منعقد ہوا۔ اس مشاعرے میں ملک کے نامور شعراء مجروح سلطان پوری وغیرہ نے شرکت کی۔ حیدرآباد سے مسرز امیر احمد خسرؔو اور صلاح الدین نیرؔ مدعو تھے۔ اس مشاعرہ میں سرزمینِ دکن کے دو مایہ ناز شاعر امیر احمد خسرؔو اور صلاح الدین نیرؔ نے بلا شبہ سامعین کے دل لوٹ لیئے۔ حیدرآباد کے ان عظیم فنکاروں کو بے پناہ داد و تحسین سے نوازا گیا۔ شائد اتنی تعریف و توصیف انہیں اپنے شہر (شہر اُردو حیدرآباد) میں بھی نہ حاصل ہوئی ہو۔ ● دہلی۔ "قومی آواز" ۲۴ر مارچ ۱۹۹۴ء

مہذب انسان۔ معتبر شاعر
مومن خاں شوق

ہمارا مشاہدہ بھی ہے اور تجربہ بھی کہ زندگی گزارنے کے رویّے میں انسان بسا اوقات تضاد کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہمارا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ ایک تہذیب یافتہ معتبر انسان کچھ ایسے حالات سے بھی گزرتا ہے کہ بعض مقامات پر اس کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں یا ثابت قدمی اس کے لئے سوالیہ نشان بن کر ابھر آتی ہے۔ پاؤں کے نیچے سے زمین سرکنے لگتی ہے، لیکن ایک ثابت قدم انسان، اعلیٰ روایات کی پاسداری کرنے والا انسان زندگی کے ہر مرحلے پر ہر قسم کے حالات کا مسکراتے ہوئے خیر مقدم کرتا ہے۔

صاف گو، صاف طینت، پاکیزہ خیالات اور سنجیدہ طرزِ حیات سے گزرنے والا انسان زندگی کے ہر موڑ پر شادمانی و کامرانی کے ساتھ سفر طے کرتا ہے۔ ایسے ہی ایک معتبر اور پُر وقار، مہذب اور سوسائٹی کے لئے قابلِ قبول انسان جس سے مِل کر خوشبو کا احساس ہوتا ہے وہ مومن خاں شوق ہے۔

مومن خاں شوق ایک ایسے شخص کا نام ہے جو زندگی کے نرم و گرم حالات کا خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کرتا ہوا مستقل مزاجی کے ساتھ کاروانِ حیات کا ایک حصہ بنا ہوا ہے۔ جنابِ شوق بہترین شاعر، نفیس انسان ہونے کے علاوہ اُردو زبان کے خدمت گزار بھی ہیں۔

مومن خاں شوقؔ سے میری جان پہچان ادبی رسائل کے ذریعہ ہوئی۔ اکثر دفعہ یوں بھی ہوا کہ مومن خاں شوقؔ کا اور میرا کلام بعض ادبی رسالوں میں ساتھ ساتھ شائع ہوتا رہا ہے۔ غالباً ۲۰، ۲۲ برس پہلے کی بات ہے کہ میری اُن سے ملاقات ایوانِ اُردو میں ہوئی۔ میں سکریٹریٹ سے کبھی کبھی لنچ کے اوقات میں ادارۂ ادبیاتِ اُردو آیا کرتا تھا جہاں مجھے اُردو کے بہت سے رسالے دیکھنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ اُن دنوں میرا کلام انڈو پاک کے ادبی رسالوں میں بہت چھپتا تھا۔ یہ خواہش ہوتی تھی کہ کسی بھی ادبی رسالے میں اپنا کلام دیکھ لیا کروں۔ ادارۂ ادبیاتِ اُردو سے میری گہری وابستگی اس لئے بھی ہے کہ مجھے اِس ادارہ سے ایک جذباتی لگاؤ ہے۔ ڈاکٹر زورؔ مجھے بے حد چاہتے تھے۔ میری ادبی سرگرمیوں سے خوش ہوتے تھے۔ میری حوصلہ افزائی میں اُنھوں نے ہمیشہ فراخدلی سے کام لیا۔ میں نے اپنے ذوق کی تکمیل کے لئے ادارۂ ادبیاتِ اُردو کے امتحانات اُردو عالم اور اُردو فاضل امتیازی حیثیت سے کامیاب کیئے۔ محمد قلی قطب شاہ کی سالانہ تقاریب کے علاوہ ادارۂ ادبیاتِ اُردو میں وقتاً فوقتاً ہونے والے جلسوں اور مشاعروں میں پابندی کے ساتھ شریک ہوا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اِس اِدارہ میں مجھے پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ کے والدِ محترم ممتاز شاعر تلوک چند محرومؔ سے نیاز حاصل کرنے کا موقع مِلا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ اِدارہ کی ایک ادبی تقریب میں ممتاز ترقی پسند شاعر جناب سجاد ظہیر سے ملاقات کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میں نے اُس مشاعرے میں یہ غزل سُنائی تھی جس کو صدرِ مشاعرہ جناب سجاد ظہیر نے بہت پسند کیا تھا۔ اس غزل کا ایک شعر یہ بھی ہے:

اجنبی شہر میں غریب چلے ∴ اونچے محلوں کی روشنی کے لئے

داد دینے کے دوران اُن کا مسکراتا ہوا چہرہ اب بھی میری نگاہوں میں پھرتا ہے۔ اِس ادارہ کے معرکتہ الآرا ... اجلاس اور مشاعروں میں، میں نے نہ صرف شرکت کی ہے بلکہ عملی طور پر حصّہ لیا ہے۔ کلام سُنایا ہے۔ ایوانِ اُردو میں خواجہ احمد عباس کی فلم "آسمان محل" کے مشاعرے کی شوٹنگ کے وقت میں موجود تھا اور بحیثیت شاعر میں نے بھی حصّہ لیا تھا۔ صدارت ممتاز ترقی پسند شاعر جناب علی سردار جعفری نے کی تھی۔

ایوانِ اُردو شاعروں اور ادیبوں کے لئے ایک ایسا مرکز رہا ہے جہاں نہ صرف بیرونِ شہر کے دانشور آیا کرتے تھے بلکہ شہر کے شاعر و ادیب بھی اکثر دکھائی دیتے تھے۔ ایوانِ اُردو کی کشش، شہر کے دوسرے اہلِ قلم کے ساتھ ساتھ جناب مومن خاں شوق کو بھی اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔ شوق صاحب اُن دنوں زرعی یونیورسٹی کے دفتر واقع "دلکشا" میں کام کرتے تھے۔ اِن کا آفس ایوانِ اُردو کے بالکل قریب تھا۔ ادارہ ادبیاتِ اُردو کے دارالمطالعہ سیکشن میں اُن سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ کبھی کبھی ایوانِ اُردو میں ملاقات ہوتی رہتی۔ مجھے یہ بالکل یاد نہیں ہے کہ میں نے انہیں پہلی دفعہ کہاں سُنا تھا۔ پھر بھی میری چھٹی حس یہ کہہ رہی ہے کہ جناب مومن خاں شوق نے کسی انجمن کے ایک سالانہ مشاعرہ میں جو جانکی پرشاد ہال انوار العلوم کالج میں منعقد ہوا تھا، مجھے مدعو کیا تھا۔ غالباً میں اور رئیس اختر اُس محفل کے مہمانانِ خصوصی تھے۔ یہ بات تقریباً ۲۰ برس پہلے کی ہے۔ ویسے بھی "سیاست" اخبار اور شہر کے دوسرے اخباروں میں اِن کا کلام شائع ہوتا رہتا تھا۔

جب میں نے محلہ ملے پلّی میں مستقل سکونت اختیار کی تب یہاں کے ممتاز

شاعروں مومن خان شوقؔ اور منان منظور کو یہ معلوم ہوا کہ میں نے یہاں مکان
خرید لیا ہے تو انہوں نے پُرتپاک انداز میں اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ ملے پلی منتقل ہونے
کے بعد میری ملاقات سب سے پہلے جناب منان منظور سے ہوئی۔ منان منظور صاحب
سے میری ملاقات جناب رئیس اختر کی معرفت ہوئی تھی۔

ملے پلی سے مجھے ایک دیرینہ نسبت ہے۔ اس محلہ میں علامہ حیرت بدایونی
کی قیام گاہ اور جناب شاذ تمکنت کی رہائش گاہ پر شاعروں اور ادیبوں کا آنا جانا
رہتا تھا۔ میں زیادہ تر علامہ حیرت بدایونی کے پاس آتا تھا۔ اُن دنوں علامہ حیرت
بدایونی کی صدارت میں نمائش کلب اور شہر کے دوسرے مقامات پر مشاعرے ہوا
کرتے تھے۔ بعض مشاعروں کی نظامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ بعض مشاعروں
میں شرکت کیلئے مجھے بھی یاد فرمایا کرتے تھے

شاذ تمکنت صاحب سے میری ملاقات بہت کم ہوتی تھی۔ کوئی خاص بات
ہو یا کسی خاص مشاعرہ کے سلسلے میں اُن سے ملنا ضروری ہو تو ان سے ملاقات
ہو جاتی تھی۔

اس محلہ میں ایک ایسی شخصیت سے بھی والہانہ وابستگی تھی جو میری شاعری
کا مرکز تھی۔ جس کی گلی میں آج بھی رنگ برنگی پھول کھلتے ہیں۔ تازہ پھولوں کی خوشبو
سارے ماحول کو مہکاتی رہتی ہے گُلِ تازہ کی طرح۔ میری سانسوں کی گرمی میرے
قدموں کے نشان اُس گلی میں آج بھی میسر ہونے کا احساس دلاتے ہیں۔ اُس ایک
خاص کشش نے مجھے برسوں اپنی طرف متوجہ کیا۔ آج سب کچھ بدل گیا ہے گھنٹے دنوں
میں اور مہینے سالوں میں بدل گئے ہیں۔ اب کچھ بھی تو نہیں رہا سب کچھ ادراق

پریشاں کی نذر ہوگیا ہے۔ جب میں اُس گلی سے گزرتا ہوں تو یادِ ماضی کی پرچھائیاں سائے کی طرح میرے ساتھ ہو جاتی ہیں اور اُس مقام پر میرے لئے سائبان بن جاتی ہیں۔ جہاں جلتی ہوئی دھوپ کبھی سایہ فگن رہتی ہے ۔۔ پاکیزہ رشتوں کی ضمانت کے لئے ۔۔۔

مومن خاں شوقؔ کا مکان اشرف والا ملے پلّی کی بڑی مسجد کے روبرو واقع ہے۔ جن کی قیام گاہ مسجد کی قربت کی وجہ سے ہر لمحہ نور افشانی کی کیفیت سے سرشار رہتی ہے ۔۔۔ اِن کے گھر کا ماحول نورانی ہے۔ گوکہ تمام لوگ تہذیب یافتہ ہیں نیز آداب سے آراستہ اُردو لکھنے پڑھنے والے بچے، مومن خاں شوقؔ کا سرمایۂ حیات ہیں۔ اِن کی سب سے نایاب دولت اِن کے والدین ہیں۔ اِن کے والدِ محترم اور والدہ محترمہ شوقؔ صاحب کی پاکیزہ زندگی اور نیک اطوار کے ضامن ہیں۔ اِن محترم ہستیوں نے شوقؔ صاحب کو زندگی کی ہر جائز خوشی سے سرفراز کیا ہے۔ ماں باپ کے قدموں میں پڑے رہنے سے اِن کے ہر عمل سے شائستگی، شرافت، محبت ٹپکتی ہے۔ طرزِ حیات کا بانکپن، طبیعت کی شگفتگی اور زندگی کے معاملے میں دیانت دارانہ رویّہ یہ سب کچھ ایسی علامتیں ہیں جو اِن کی زندگی کے خدوخال میں رنگ بھرنے کا محرک رہا کرتی ہیں۔

مومن خاں شوقؔ ایک بے داغ، صاف گو، باکردار، نیک صفت اور پُرخلوص انسان ہیں۔ جو شخص ایک دفعہ اِن کی دوستی کی گرفت میں آجاتا ہے وہ پابہ زنجیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ شوقؔ صاحب تیز گام تو ہیں ہی، نرم گفتار بھی۔ ٹھہر ٹھہر کر اُن کا گفتگو کرنا دانشورانہ طرزِ عمل کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہر وہ مسئلہ جو

پریشاں کی نذر ہوگیا ہے۔ جب بھی اُس گلی سے گزرتا ہوں تو یادِ ماضی کی پرچھائیاں سائے کی طرح میرے ساتھ ہو جاتی ہیں اور اُس مقام پر میرے لئے سائبان بن جاتی ہیں۔ جہاں جلتی ہوئی دھوپ بھی سایہ فگن رہتی ہے ـــ پاکیزہ رشتوں کی ضمانت کے لئے ـــ

مومن خاں شوقؔ کا مکان اشرف ولا، ٹلی کی بڑی مسجد کے روبرو واقع ہے۔ جن کی قیام گاہ مسجد کی قربت کی وجہ سے ہر لمحہ نور افشانی کی کیفیت سے سرشار رہتی ہے ـــ اِن کے گھر کا ماحول نورانی ہے۔ گوکہ تمام لوگ تہذیب یافتہ ہیں مشرقی آداب سے آراستہ اُردو لکھنے پڑھنے والے بچے، مومن خاں شوقؔ کا سرمایہ حیات ہیں۔ اِن کی سب سے نایاب دولت اِن کے والدین ہیں۔ اِن کے والدِ محترم اور والدہ محترمہ شوقؔ صاحب کی پاکیزہ زندگی اور نیک اطوار کے ضامن ہیں۔ اِن محترم ہستیوں نے شوقؔ صاحب کو زندگی کی ہر جائز خوشی سے سرفراز کیا ہے۔ ماں باپ کے قدموں میں پڑے رہنے سے اِن کے ہر عمل سے شائستگی، شرافت، محبت ٹپکتی ہے۔ طرزِ حیات کا بانکپن، طبیعت کی شگفتگی اور زندگی کے معاملے میں دیانت دارانہ رویہ یہ سب کچھ ایسی علامتیں ہیں جو اِن کی زندگی کے خدوخال میں رنگ بھرنے کی محرک رہا کرتی ہیں۔

مومن خاں شوقؔ ایک بے داغ، صاف گو، باکردار، نیک صفت اور پُرخلوص انسان ہیں۔ جو شخص ایک دفعہ اِن کی دوستی کی گرفت میں آجاتا ہے وہ پابہ زنجیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ شوقؔ صاحب تیز گام تو ہیں ہی، نرم گفتار بھی ہیں۔ ٹھہر ٹھہر کر اُن کا گفتگو کرنا دانشورانہ طرزِ عمل کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہر وہ مسئلہ جو

ان کی سانسوں کی خوشبو، جن کے قدموں کی آہٹ اور جن کے حسنِ سلوک اور بہترین طور طریق نے ان کی بے ریا، بے غرض اور والہانہ دوستی میں محسوس کیا ہے۔

مومن خاں شوقؔ کی شاعری کی عمر یہی ۲۶، ۲۷ برس کی ہوگی۔ اس دوران ان کے تین شعری مجموعے "بدلتے موسم"، "چاندنی کے پھول" اور "نشاطِ آرزو" شائع ہو چکے ہیں۔ ان کتابوں پر ملک کی اردو اکیڈمیوں نے انعامات دیئے ہیں۔ ان کا کلام آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوتا ہے، دوردرشن سے ٹیلی کاسٹ ہوتا رہتا ہے۔ روزنامہ "سیاست" اور "منصف" کے علاوہ ملک کے تقریباً تمام اردو رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ مومن خاں شوقؔ غزلیں بھی کہتے ہیں، قطعات بھی اور نظمیں بھی۔ کچھ ایسے شعر جو مجھے زیادہ پسند آئے نذر کر رہا ہوں۔

منظر کھلا کھلا ہے کسی کی نظر میں ہے ✤ باہر تلاش جس کی ہے وہ تیرے گھر میں ہے

تم مصلحت پسند نہیں ہو تو کیا ہوا ✤ ہر مصلحت پسند کسی کے اثر میں ہے

اتر آئے ہیں وہ محسن کشی پر ✤ الٰہی کیا زمانہ آ گیا ہے

مرے پیشِ نظر کارِ جہاں ہے ✤ انہیں محفل سجانے کی پڑی ہے

مسئلہ کوئی بھی ہو سنجیدگی درکار ہے ✤ شدّتِ جذبات میں بہنا کبھی اچھا ہے

اپنی منزل آپ طے کرنی ہے سب کو دوستو ✤ راہرو چلتے ہیں لیکن راستہ چلتا نہیں

آدابِ زندگی ہے نہ تہذیب آرزو ✤ یاروں نے ایک شہر بسایا تھا کیا ہوا

عجیب شخص ہے تنہا ملے تو کچھ نہ کہے ✤ نظر بچا کے جو محفل میں دیکھتا ہے مجھے

آئینے کی بات پر کیوں شوقؔ حیرانی ہوئی ✤ ہاں تو تم آئینے کو آئینہ جھوٹا نہیں

ہمارے شاعرانہ رابطہ کا ایک خوشگوار وسیلہ ہمارے ادبی جلسے اور مشاعرے ہیں۔ مسلسل ادبی جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں اور شہر اور اضلاع کے مشاعروں کے بارے میں ہماری مسلسل ملاقاتیں ناگزیر ہو گئی ہیں۔ میں نے دوران گفتگو محسوس کیا ہے کہ مومن خاں شوق کسی بھی مسئلہ پر اظہار خیال میں محتاط رویہ کا ثبوت دیتے ہیں۔ صاحب رائے شخصیت کے مالک ہونے کی وجہ سے نپے تلے انداز میں اپنی بات کہتے ہیں۔ مجلس مشاورت میں اپنی انفرادیت کا احساس دلاتے ہیں گفتگو کے دوران قیمتی الفاظ ضائع نہیں کرتے۔ کسی اور مناسب موقع کے لئے اٹھائے رکھتے ہیں۔ یہ انکی طرز تکلم کی خصوصیات ہیں۔ جو پسندیدہ سمجھی جاتی ہیں۔

مشاعروں میں اعتماد کے ساتھ کلام سناتے ہیں۔ تحت اللفظ میں شعر سناتے وقت اپنی ساری شخصیت کو شعر کے معنی و مفہوم میں سموتے ہیں۔ پوری کیفیت کے ساتھ شعر سناتے ہیں۔ ترنم سے بھی کلام سناتے ہیں لیکن بہت کم۔

شوق صاحب کے کلام سنانے کا انداز پر اثر ہوتا ہے۔ سامعین متوجہ ہو جاتے ہیں۔ تقریباً ہر شعر پر داد لیتے ہوئے مقطع تک پہنچ جاتے ہیں۔

شوق صاحب جس طرح زندگی کے دیگر مسائل کو عمدگی اور سلیقہ سے سرانجام دیتے ہیں اسی طرح شعر و سخن کے معاملات میں بھی وہ ذمہ دارانہ رول ادا کرتے ہیں۔ ہر ادبی کام خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہوئے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ شوق صاحب ایک صلح کل معاملہ فہم دوست نواز اور حرف شناس شہری کی حیثیت سے بھی معاشرہ میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ مجھے کبھی بھی ایک بھی ایسا شخص نہیں ملا جو شوق صاحب سے بدگمان ہو۔ انکے دوستوں کی فہرست طویل ہے کس کس کا نام لیا جائے۔ مختصر یہ کہ شوق صاحب کی ساری زندگی باوقار انداز میں اسی طرح گزرتی رہے گی پھولوں اور خوشبوؤں کے درمیان — ●●

شمعِ فروزاں

کا

(شاعر، بہترین انسان، نفیس شہزادہ)

"شمعِ فروزاں" خانوادۂ آصفیہ کے روشن، چشم و چراغ پرنس شہامت جاہ کا پہلا مجموعۂ کلام ہے جس کی اشاعت پر مجھے بے حد مسرت ہو رہی ہے۔ ایسا بالکل نہیں ہے کہ میں پرنس شہامت جاہ کو گزشتہ کچھ مہینوں ہی سے جانتا ہوں بلکہ ان کے اور میرے درمیان بہت پہلے ہی سے شاعرانہ روابط رہ چکے ہیں۔ پرنس شہامت جاہ ۱۵ سال قبل ایک ہونہار شاعر کی حیثیت سے منظرِ عام پر آئے اور دفعتہً خاموش ہو گئے نہ جانے کیوں؟ — اُس زمانے میں وہ مجھ سے ملنے کیلئے کبھی "سیاست" میں آتے تو کبھی سکریٹریٹ۔ میں نے دورانِ مراسم پایا تھا کہ انہیں شعر و ادب سے بے حد دلچسپی ہے۔ اُس وقت پرنس شہامت جاہ کو میں شہر کے کئی مشاعروں میں مدعو کیا کرتا تھا۔ کچھ مشاعروں میں انہوں نے کلام سنایا اور داد و تحسین پائی۔

پرنس شہامت جاہ سے میرے اور رئیس اختر کے دوستانہ روابط کو محسوس کرتے ہوئے والا شان پرنس معظم جاہ شجیع نے ہم دونوں (صلاح الدین نیر اور رئیس اختر) کو اپنی رہائش گاہ "مرزا ولا" پر یاد فرمایا تھا۔ میں اُن

کے ساتھ عشائیہ میں شریک ہونے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ عشائیہ کے بعد پرنس معظم جاہ شجیع نے ہم سے کلام سنانے کی خواہش کی۔ انہیں ہمارا کلام پسند آیا۔ ہم داد و تحسین سے نوازے گئے۔ اس دور میں پرنس شہامت جاہ کی کئی تحریریں روزنامہ "سیاست" میں شائع ہوئی تھیں۔ "فرن ولا" میں پرنس معظم جاہ شجیع کے دوسرے مجموعۂ کلام "جذبات شجیع" کی رسم اجرا تقریب کے وقت بھی ہم موجود تھے۔

آصف سابع میر عثمان علی خاں کے دور حکومت میں جواں سال شہزادہ پرنس معظم جاہ شجیع کی شعر و نغمہ کی محفلوں کی شہرت ساری اردو دنیا میں پہنچ چکی تھی۔ پرنس معظم جاہ شجیع نے کئی ممتاز مشاہیر شعراء کی سرپرستی کی جو اُن کے دربار سے وابستہ تھے۔ حیدرآباد پر پولس ایکشن کے بعد یہ منظر بہت کچھ بدل گیا۔ لیکن روایت کی پاسداری نے دامن نہیں چھڑایا۔ اپنی کج کلاہی اور وضع داری کو برقرار رکھتے ہوئے ان کی اکثر راتیں شعر و نغمہ کی محفلوں سے سجتی رہیں لیکن بدلتے ہوئے حالات میں آخر کار رفتہ رفتہ ساری سرگرمیاں سرد پڑ گئیں۔

پرنس معظم جاہ شجیع کے انتقال کے بعد "فرن ولا" پر ایک سناٹا چھا گیا۔ یہ سناٹا برسوں رہا۔ "فرن ولا" کی مسلسل خموشی توڑنے کے لئے پرنس شہامت جاہ نے "فرن ولا" میں مشاعروں کا اہتمام کیا۔ اپنے اسلاف کی خوشگوار روایات کو جاری رکھنے کے لئے۔ اس طویل عرصے کے دوران پرنس شہامت جاہ سے میری کہیں بھی ملاقات نہیں رہی۔ پرنس معظم جاہ شجیع کے انتقال کے بعد پرنس شہامت جاہ تقریباً خانہ نشین ہو کر رہ گئے۔

ایک سال پہلے کی بات ہے کہ محترم المقام ممتاز قریشی ڈاکٹر سید عبداللطیف نے ادبی ٹرسٹ کے ایک اجلاس کے بعد مجھ سے فرمایا تھا کہ پرنس شہامت جاہ مجھ سے مشورۂ سخن کرنے کے متمنی ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ کی زیرِ نگرانی اِن کا شعری سفر جاری رہے۔ ڈاکٹر صاحب کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے میں نے وعدہ تو کیا لیکن نہ جاسکا۔ کچھ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب نے پھر مجھ سے وعدہ لیا تاہم مجھے تامل رہا۔ دراصل میں اپنی ادبی مصروفیات کی وجہ سے وقت نہیں دے سکتا تھا۔ تیسری مرتبہ مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ میں گوپیتا کرن کے مجموعۂ کلام "نوازش" کی رسمِ اجراء تقریب کے موقع پر ڈاکٹر صاحب نے بہ اصرار کہا کہ آپ ضرور پرنس شہامت جاہ سے مِل لیں۔ آپ اُنہیں ہفتہ میں صرف تین دن کا وقت دیجئے ایک ایک گھنٹہ کے لئے۔ اب کی بار میں ٹال نہیں سکا۔ چنانچہ میں ڈاکٹر صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں ایک دن ۵ بجے شام نذری ولا پہنچا۔ پرنس شہامت جاہ نے مجھے خوش آمدید کیا۔ ان کے چہرہ کی مسکراہٹ سے ظاہر تھا کہ اُنہیں میری آمد سے بے حد مسرت ہوئی ہے۔ نذری ولا کے دامن میں خوبصورت، فرحت افزا مرغزار سے شاداب مٹ کر ہم شجر سایہ دار کے تلے بیٹھے رہے۔ رسمی طور پر ہم نے اپنے اپنے شب و روز کے بارے میں بتایا ـــــ پرنس نے کہا کہ میری یہ آرزو ہے کہ آپ کی نگرانی میں

اپنا شعری و ادبی سفر جاری رکھوں۔ اِسی لئے میں نے اپنے محسن، ڈاکٹر سید عبدالمنان سے خواہش کی تھی کہ آپ یہاں آنے کی زحمت فرمائیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ کی بہت عزت کرتے ہیں۔ آپ پر اعتماد کرتے ہیں، قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ آپ کے رکھ رکھاؤ کے معترف ہیں۔ میری ادبی رفاقت کے لئے آپ کو موزوں ترین شخص سمجھتے ہیں۔

پرنس شہامت جاہ پبلک اسکول کے طالبِ علم رہ چکے ہیں۔ جہاں ان کے اساتذہ علامہ تلمذ الحسن، ڈاکٹر صادق نقوی اور سعادت نذیر بھی تھے پرنس شہامت جاہ خاص طور پر اپنے شفیق اُستاد ڈاکٹر صادق نقوی کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔

شعر و ادب کا ذوق اُنہیں ورثے میں ملا ہے۔ اُن کے جدِّ امجد بادشاہِ وقت غفران مکاں آصف سادس نواب میر محبوب علی بادشاہ آصف شاعر تھے۔ دادا نواب میر عثمان علی خاں عثمان بھی اور والدِ محترم پرنس معظم جاہ شجیع بھی شاعر تھے۔ پرنس شہامت جاہ نے اپنے بچپن سے جوانی تک اپنے والدِ ماجد کی محفلیں دیکھی ہیں۔ شعر و نغمہ کی محفلوں سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

جب بھی پرنس شہامت جاہ کے ہاں جاتا ہوں تو رسمی گفتگو کے بعد وہ اپنا کلام سُناتے ہیں۔ اُس ایک نشست میں ہی کلام کی تصحیح ہوجاتی ہے۔

پرنس کی طبیعت میں بڑی روانی ہے۔ اُنہیں چھوٹی بحروں میں شعر کہنے کا ملکہ
حاصل ہے۔ مشورۂ سخن کے بعد مختلف موضوعات پر گفتگو رہا کرتی ہے۔
رسم و راہ کی پاسداری، آدابِ گفتگو، نشست و برخواست کے طور طریق
اُن کی شفیق والدہ محترمہ پرنسس انوری بیگم صاحبہ کی تربیت کی مرہونِ
منت ہیں۔ پرنسس انوری بیگم صاحبہ اپنے فرزندِ دلبند کو بہت چاہتی ہیں اُن
کی یہ دلی خواہش ہے کہ اُن کا نورِ چشم خاندانِ آصفجاہی کا روشن چراغ اُردو شعر و ادب
کی دنیا میں اپنے والدِ محترم کا جانشین ثابت ہو۔

پرنس شہامت جاہ نہایت ملنسار، مخلص، باادب، شائستہ اور نفیس
انسان ہیں۔ مشاعروں میں اپنی شعراء برادری سے حسبِ ضرورت مِلا کرتے ہیں۔
اساتذہ اور سینیئر شاعروں کا احترام کرتے ہیں۔ وہ ایک تربیت یافتہ مہذب
نوجوان ہیں۔ جب کبھی میں فرنِ ولا پہونچتا ہوں تو عزت و احترام کی پاسداری کا
یہ حال ہے کہ احتراماً اُس وقت تک کھڑے رہتے ہیں تاوقتیکہ میں اپنی نشست
نہ سنبھالوں۔ شاعر دوست احباب پر ہی کیا منحصر ہے ہماری محفلوں کے معزز مہمان
اور ادب دوست احباب بھی ان سے مِل کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ان کے شاعر
دوستوں میں یوں تو بہت سے نام ہیں لیکن میرے علاوہ رئیس اختر، ڈاکٹر صادق
نقوی، مومن خاں شوق، شفیع اقبال، قاضی نجم عارفی، ڈاکٹر راہی اور رمضان منظور

کچھ زیادہ ہی قریب ہیں۔ حضرت سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی کا بھی احترام کرتے ہیں۔

پرنس کے روز کے معمولات میں اُردو، انگریزی کی اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ شامل ہے۔ اِن کی روزمرّہ زندگی کا زیادہ وقت علمی و ادبی کتابوں کے مطالعے میں گزرتا ہے۔ پرنس عام مشاعروں میں شرکت کرنے سے گریز کرتے ہیں، یہ شرکت مخصوص ادبی محفلوں تک محدود ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں منعقدہ بعض ادبی محفلوں کے علاوہ "ادارۂ میرا شہر میرے لوگ" اور "دیارِ ادب" کی محفلوں میں پابندی سے شریک ہوا کرتے ہیں۔ اپنے بہترین کلام سے مشاعروں پہ چھا جاتے ہیں۔ شرکائے محفل کا یہ تاثر ہے کہ پرنس ایک بہترین شاعر ہی نہیں ایک شائستہ و معتبر انسان بھی ہیں۔ خوشگوار موڈ میں مُسکراتے ہوئے محفل میں داخل ہوتے ہیں تو اُنہیں محفل میں عزت و توقیر کے ساتھ بٹھایا جاتا ہے۔ اِن کے شعر سُنانے کا انداز منفرد ہے۔ پُر اثر لب و لہجہ میں شعر سُنا کر محفل کو گرما دیتے ہیں۔

پرنس شہامت جاہ ایک محبت شناس، پاکیزہ طینت اور پُر خلوص شخصیت کا نام ہے۔ شہزادگی کے نظری رکھ رکھاؤ اور خاندانی بانکپن کے باوجود ان کے مزاج میں بڑی دلکشی، سادگی و پُرکاری ہے۔ غرور نام کی کوئی چیز اُن کے پاس نہیں ملتی۔ پرنس کی نرم گفتاری، لب و لہجہ کی مٹھاس مقابل کو متاثر کرتی ہے۔

طرزِ تکلم کا ایک خاص اسٹائل ہے ۔ مُسکراتا ہوا چہرہ ہر اُس شخص کا خیر مقدم کرتا ہے جو تہذیبی اقدار کا پاسدار ہو۔

پرنس شہامت جاہ اپنے ورثے کے تسلسل کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ خاندانِ آصفیہ کی شعر و ادب کی شمعیں ہمیشہ جلتی رہیں ۔ وہ اپنے اسلاف کی اعلیٰ قدروں کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ ان کی یہ خواہش ہے کہ اپنے ورثے کا تحفظ ہو۔ تہذیبی روایات جو بزرگوں کی دین ہیں اُنہیں باقی رکھا جائے اور ان قدروں کی تجدید ہی نہیں تحفظ بھی کسی نہ کسی طرح ہوتا رہے ۔

پرنس شہامت جاہ کو اپنے اسلاف سے والہانہ وابستگی کو جب میں نے شدت سے محسوس کیا تو دفعتاً میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ پرنس معظم جاہ شجیع کی شاعرانہ عظمت اور ان کی شہزادگی کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے ایک محفل کا اہتمام کیا جائے ۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر سید عبدالمنان، پرنسس محترمہ انوری بیگم صاحبہ اور پرنس شہامت جاہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ میں ایک ادبی اجلاس پرنس معظم شجیع کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف کے طور پر منعقد کرنا چاہتا ہوں۔ میری اس تجویز کو شرفِ قبولیت حاصل ہوا ۔ بے حد سراہا گیا۔ چنانچہ میں نے "ادارۂ میرا شہر میرے لوگ" کی جانب سے عظیم الشان پیمانے پہ پرنس معظم جاہ شجیع کے فن اور شخصیت پر ۵ راگسٹ سنہ ۱۹۹۶ء کو مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ...

ایک ادبی اجلاس کا اہتمام کیا جن کا مجھے اس تقریب کے انعقاد میں مکمل تعاون حاصل رہا۔ اس اجلاس سے قبل حیدرآباد میں کہیں کسی بھی انجمن یا ادارہ کی جانب سے پرنس معظم جاہ شجیع کے فن اور شخصیت پر ادبی تقریب منعقد نہیں ہوئی تھی۔ اس جلسہ کی صدارت ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش نے کی۔ مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی ورنگل، نواب کاظم نواز جنگ بہادر (علی پاشاہ)، جناب محمود بن محمد سابق سفیر ہند برائے سعودی عرب، جناب خلیل الرحمن سابق ایم۔پی، ڈاکٹر دینکٹ راؤ صدر نشین کالج سروس کمیشن حکومت آندھرا پردیش، ڈاکٹر موہن لال نگم سابق ڈائرکٹر سالار جنگ میوزیم اور پرنس شہامت جاہ نے شرکت کی۔ مقررین میں ڈاکٹر صادق نقوی ریڈر شعبۂ تاریخ جامعہ عثمانیہ اور ڈاکٹر احمد اللہ خاں پروفیسر شعبۂ قانون جامعہ عثمانیہ شامل تھے۔ صلاح الدین نیر ناظم اجلاس تھے۔ مشاعرے کی صدارت جناب امیر احمد خسرو نے کی تھی۔ مشاعرے میں شہر کے ممتاز شعراء نے شرکت کی۔ میرے بہترین دوست ممتاز شاعر جناب رئیس اختر معتمدِ مشاعرہ تھے۔ اس ادبی تقریب میں پرنسس انوری بیگم صاحبہ بھی تشریف فرما تھیں۔ اس محفل کی کامیابی کے بعد میں نے سوچا کہ اس قسم کی ادبی تقریب کا ایک سال تک کیوں انتظار کیا جائے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہر ماہ ایک محفلِ شعر کا اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر سید عبدالمنان،

پرنسس محترمہ انوری بیگم صاحبہ اور پرنس شہامت جاہ کے سامنے یہ تجویز رکھی اور کہا کہ پرنس معظم جاہ شجیعؔ کی شاعرانہ عظمت کو خراج پیش کرنے کے لئے کیوں نہ "فرن ولا" میں ہر ماہ ایک منفرد انداز کا مشاعرہ منعقد کیا جاتا رہے جس میں اگلی ساری شاعرانہ روایتوں کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ جو آصف جاہی دور کے مشاعروں کی یاد دلاتی ہیں۔ میری اس تجویز کو نہ صرف پسند کیا گیا بلکہ عملی جامہ پہنایا گیا۔ اور میری تجویز پر ہی "ایوانِ پرنس معظم جاہ شجیعؔ" محفل کا نام رکھا گیا۔

ایوانِ پرنس معظم جاہ شجیعؔ کا پہلا مشاعرہ ۵ر اکٹوبر ۱۹۹۴ء کو ۶/۱/۲ بجے شام ڈاکٹر سید عبدالمنان کی صدارت میں منعقد ہوا۔ پرنس شہامت جاہ میزبان محفل کے علاوہ شہر کے اُردو ہندی کے نمائندہ شاعروں نے شرکت کی اور کلام سُنایا۔ ایوانِ پرنس معظم جاہ شجیعؔ کے مشاعروں میں تا حال مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی ورنگل، جناب خلیل الرحمٰن سابق ایم۔ پی، جناب عبدالکریم خان سابق صدر نشین ریاستی اقلیتی کمیشن اور پروفیسر وینکٹ راؤ سابق صدر نشین کالج سروس کمیشن حکومتِ آندھرا پردیش ڈاکٹر حمیدہ خاں نے بھی شرکت کی۔

"فرن ولا" میں مشاعروں کو سجانے اور دیگر ضروری انصرام و اہتمام

کی ساری نگرانی در پردہ پرنسس محترمہ انوری بیگم صاحبہ فرماتی ہیں محفل کو خوبصورتی کے ساتھ آراستہ کرنا، بہتر سے بہتر انداز میں مشاعرے منعقد کرنا ان کے حسنِ سلیقہ کی ترجمانی کرتا ہے۔ "فنِ ولا" کے یہ مشاعرے شہر کی دیگر انجمنوں سے ہٹ کر ایک مخصوص انداز میں ہوا کرتے ہیں۔ اِن مشاعروں میں صرف مدعو شعراء اور مدعو سامعین ہی ہوتے ہیں۔ مشاعرہ کا آغاز نذرِ عقیدت کے طور پر پرنس معظم جاہ شجیعؔ کی کسی ایک غزل سے ہوتا ہے۔ مشاعرے کے آغاز سے اختتامِ مشاعرہ تک محفل میں ایک پُر کیف فضا چھائی ہوئی رہتی ہے۔ حاضرینِ محفل اور شعرائے کرام، آدابِ محفل کا پوری طرح لحاظ رکھتے ہیں۔ مشاعرہ کو خوشگوار انداز میں جاری رکھے جانے کے لئے مکمل تعاون کیا کرتے ہیں۔ صدر مشاعرہ ڈاکٹر سید عبدالمنان، محبوب علی پاشاہ کی یادگار شمع روشن کر کے محفلِ شعر کا افتتاح کرتے ہیں۔ حسبِ روایت شمع، شاعر کے سامنے رکھی جاتی ہے۔ شمع گردش میں رہتی ہے۔ ہر محفل میں جنرل سکریٹری ایوان پرنس معظم جاہ شجیعؔ، صلاح الدین نیرؔ خیر مقدمی تقریر کرتے ہیں۔ صدور و مہمانانِ خصوصی کا خطاب ہوتا ہے معتمدِ مشاعرہ جناب رئیسؔ اختر ہوا کرتے ہیں۔ اظہارِ تشکر، حسبِ روایت پرنس شہامت جاہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ معتمدِ مشاعرہ کے تشکریہ پر خوشگوار محفل برخواست کی جاتی ہے۔

غزل والی کی فضاء نہایت شاعرانہ اور پُر کیف ہے۔ مختلف رنگوں کے پھولوں خاص طور پر گلاب کی رنگا رنگی سے دوبالا ہو جاتی ہے۔ شعراء و سامعین اس محفل میں شرکت کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتے ہیں۔ ایوانِ شجیع کا چمن نہایت خوبصورت ہے۔ چمن کے ہر گوشہ سے ایک خاص مہک کا احساس ہوتا ہے۔ منظر فضا میں شاعرانہ ماحول کو پُر اثر بنا دیتی ہیں۔

پرنس شہامت جاہ ہماری محفلوں میں ایک مقبول شاعر کی حیثیت سے بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں وارداتِ قلبی، تہذیب نظر، فکر و خیال کی بالیدگی، تسکینِ دل و جاں اور جذبات کی فراوانی کے نمایاں عنصر موجود ہیں بے ساختگی اور کلاسیکیت کا خوبصورت امتزاج ہے۔ عصری آگہی، عصری حسیت سے بھی ان کی فکر ناآشنا نہیں ہے ـــ خوب سے خوب تر کی تلاش نے ان کے فن میں تنویرِ سحر کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ پرنس شہامت جاہ کی ساری زندگی، تہذیبِ رفتہ کی آئینہ دار ہے۔ انہیں اپنے آپ کو سمیٹنے کی فکر نہیں ہے بلکہ وہ اپنے اسلاف کے اقدار کو تازہ دم دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آصف جاہی سلاطین کی اعلیٰ روایات باقی رہیں۔

پرنس کو اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ اسلاف کی عالیشان عمارتوں کے ملبوں سے کچھ اینٹیں اٹھا لی جائیں جن کو جوڑ کر عالیشان محل نہیں

بلکہ ایک چھوٹا سا گھر تیار کیا جائے جو اسلاف کی یاد دلاتا رہے۔ حالات اگرچہ بہت کچھ بدل گئے ہیں لیکن آج کے ماحول میں سانس لینا ہے اپنی انفرادیت باقی رکھتے ہوئے اپنی پہچان کا احساس دلاتے ہوئے۔

"شمع فروزاں" پر لکھنے والے اور بھی دانشور رہیں اس لئے میں نے ان کے فکر و فن کا سرسری جائزہ لیا ہے۔ "شمع فروزاں" پرنس شہامت جاہ کی دیرینہ خواہش کی آئینہ دار ہے۔ ●●

میری شاعری زندگی کے تجربات اور مشاہدات، داخلی جذبات و محسوسات سے عبارت ہے۔ زندگی کے حقائق، روزمرہ کی تلخیوں اور راحتوں نے میرے احساس کو جگایا ہے۔ میرا شعری سفر ان ہی لازوال کیفیات کی دین ہے۔ اس شعری سفر کے دوران مجھے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا۔ میں نے کوشش کی ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر ثابت قدم رہوں۔ میں نے اپنے شعری سفر میں متوازن ادبی رویہ کو اپنایا ہے۔ مسلسل سفر کو زندگی کی روشن علامت سمجھتا ہوں۔ میں نے کبھی بھی کسی مخصوص تحریک یا گروہ سے اپنے آپ کو وابستہ نہیں کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ فنکار گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر ہی اچھا فن تخلیق کر سکتا ہے۔

●● (رشتوں کی مہک)

"قلم بولتا ہے"

(نوجوان سال باصلاحیت شاعر۔ وقار ریاض)

ادبِ عالیہ کی پہچان بن کر جب کوئی باصلاحیت، ہونہار شاعر پیراہنِ شعر و ادب کو مہکاتے ہوئے سارے ادبی ماحول کو معطر کر دیتا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایسا شاعر اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ اونچی اُڑان بھرتے ہوئے دانشورانِ شعر و ادب کی محفل میں جلوہ گر ہے۔ ایسے ہی شاعر جب گل افشانی، نشتر زنی اور وارداتِ قلبی کے اظہار کا ذریعہ بن جاتے ہیں تو معاشرے کی بنتی بگڑتی ساری تصویریں شہرت کے ساتھ اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہیں۔

اپنی شاعرانہ پہچان کے لئے ایک شاعر معاشرے کے خد و خال میں اس طرح رنگ بھرتا ہے کہ اُس کی تخلیقات پر اُس شخص کی ذات کا ایک حصّہ بن جاتی ہے جو نرم و گرم حالات سے گزرتا رہتا ہے۔ وقت کی تیز روی ہر اُس تخلیق کو جگاتی ہے جس کا فن وارداتِ قلبی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ فکر و خیال کی بلندیوں کو چھونے والے، آئینہ صفت، فطرت شناس شاہین نواز باشعور شاعروں میں قابلِ ذکر ایک شگفتہ اور اہم نام وقار ریاض کا بھی ہے جس نے ۱۰ سال پہلے [illegible] ریگستان کی گرم گرم ریت سے گزرتے ہوئے طوفانوں اور حوادثات کی زد میں رہتے ہوئے منزل رسی کی بے پناہ خواہشوں کے ساتھ اپنے خوشگوار سفر کا آغاز کیا تھا۔ آج وہی رہ روِ منزلِ شوق، کھلے آسمان تلے اپنی زمین

سے جڑا ہوا کھلی فضاؤں میں سانس لیتے ہوئے سرگرم سفر ہے ۔

اس دور کے نوجوان شاعروں میں وقار ریاض کا نام ایک خاص امتیاز کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اپنے فن سے والہانہ وابستگی رکھنے والا یہ ذہین و فطین شاعر اپنے روشن مستقبل کی ضمانت بن کر افقِ شاعری پر تیزی کے ساتھ اُبھر رہا ہے۔ اس کے اشعار میں زندگی کی حرارت، جذبات کی صداقت، مشاہدات کی دلپذیری، احساس کی تازگی اور شعور کی بالیدگی تمام تر خوبیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے ۔

اپنے جذبات، مشاہدات اور وارداتِ قلبی کی بھٹی میں تپ کر جب کوئی شاعر تخلیقی سفر سے گزرتا رہتا ہے تو اُس کی تخلیق، دیرپا تاثر کی طرح دستاویزی شکل اختیار کر جاتی ہے وقار ریاض جیسے نہ جانے اور کتنے شاعر ہوں گے جو اپنے فن کے ذریعے اپنی شناخت بنانے میں مصروف ہیں ۔

ہر دور کی طرح آج کا دور بھی عصری تقاضوں کی تکمیل کے لئے سازگار ہے۔ کبھی اور نہیں بھی۔ حالات نے ہر دور کے فنکار کو متاثر کیا ہے۔ ہر قلمکار اپنے دور کا نباض ہوتا ہے۔ وہی شاعر اپنی خصوصی پہچان کے ساتھ ادب میں زندہ رہتا ہے جو حالات کی بے راہ روی اور نت نئی اُلجھنوں کا شکار ہوتے ہوئے بھی پامردی، مستقل مزاجی اور حوصلہ مندی کے ساتھ اپنے میدان میں قدم جمائے ہوئے رہتا ہے۔ مصلحت شناسی، تنگ نظری، موقعہ پرستی اور کم نگاہی، قلم کی بے پناہ طاقت کو روک نہیں سکتی۔ قرطاس و قلم کی حرمت کا خیال رکھنے والے تخلیق کار، دامانِ شعر و ادب کو ہمیشہ مہکاتے رہیں گے۔ اپنے فن سے دیانت داری برتنے والے اہلِ فن اپنے مثبت کارناموں کے نمایاں کے ساتھ پہچانے جائیں گے۔

وقار ریاض اپنے ہم عصر شاعروں میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اِنکے اشعار

ہے جہاں پھولوں کی شگفتگی کا احساس ہوتا ہے وہیں تلخیٔ دوراں اور شررِ بار نگاہی کا عکس بھی جھلکتا ہے۔ کلاسیکی اقدار کا پاسدار، ترقی پسندی اور جدیدیت کے رجحانات کا علم بردار، زندگی کے اُجالوں کا طرفدار، ٹھنڈی چھاؤں اور تپتے ہوئے صحراؤں میں اپنے قلم کی پرورش کرنے والا یہ شاعر اپنے وجود کا ہمیشہ احساس دلاتا رہے گا۔ وقار ریاض کی شاعری، دھوپ چھاؤں نرمی گرمی، سُبک خرامی اور تیز گامی سے عبارت ہے۔ جہاں اِن کے اشعار سے پھول برستے ہیں وہیں شعلوں کی برسات بھی ہوتی رہتی ہے۔ اس دور کے شاعر کے ہاں موضوعات کی کمی نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ قلم کی کاٹ کیا گُل کھلاتی ہے اور وہ کن کن مرحلوں سے گزرتا ہوا اپنے علمی منصب کا حق ادا کرتا ہے۔

تہذیب، شائستگی اور روایت سے وقار ریاض کا رشتہ اٹوٹ ہے۔ ماضی کی اعلیٰ روایتوں کے طرفدار ہوتے ہوئے بھی شاعر نے آج کے حالات سے مُنہ نہیں موڑا۔

وقار ریاض کو میں نے کل ہند مشاعروں میں بھی سُنا ہے، مخصوص شعری نشستوں میں بھی۔ ان کی شاعری دل کو چھونے والی اور فکر و خیال کی ترجمانی کرنے والی شاعری ہے۔ اِن کے پڑھنے کا انداز نہایت پُر اثر ہوتا ہے۔ اچھے شعر کو اچھے انداز میں پیش کرنا با کمال شاعروں کا ایک بہترین وصف سمجھا جاتا ہے۔ یہ اعزاز وقار ریاض کو حاصل ہے۔ تحت میں کلام سُناتے ہیں اور کچھ اس طرح کے ساری محفل سے داد و تحسین حاصل کر لیتے ہیں۔ وقار ریاض اُن کامیاب شاعروں میں سے ایک ہیں جن کی شہرت ادبی حلقوں میں بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔

وقار ریاض کے اس پہلے مجموعۂ کلام "قلم بولتا ہے" میں حمدِ باری تعالیٰ، نعتیں، منقبتیں، غزلیں اور نظموں کے علاوہ قطعات اور متفرق اشعار بھی شامل ہیں۔ وقار ریاض نے ہر صنفِ شاعری میں اچھے شعر کہے ہیں لیکن غزل میں ان کی شاعرانہ صلاحیت کا اظہار

کھل کر ہوا ہے۔ صنفِ غزل تمام اصنافِ سخن میں ایک کلیدی رول ادا کرتی ہے۔ زندگی کے کونسے ایسے مسائل ہیں جن کی غزل متحمل نہ رہی ہو۔ وقار ریاض کو نظم گوئی پر بھی دسترس حاصل ہے۔ دیگر اصنافِ سخن بھی اُردو شاعری کا سرمایہ ہیں۔ جنکی عظمت اپنی جگہ برقرار ہے۔ اِن کی بعض موضوعاتی نظمیں ادبی تاریخ کا ایک حصّہ بن کر زندہ رہیں گی۔ مذہبی شاعری پورے عقیدت و احترام کے ساتھ کہی گئی ہے۔ فن سے ان کی وابستگی نے پاک وصاف شعر کہلوائے ہیں۔ کلام کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وقار ریاض ایسے شاعر ہیں جنکی تخلیقات ہر دور میں شوق سے پڑھی جائیں گی۔ "قلم بولتا ہے" کے منتخب شعر یقیناً قارئین کے ذوقِ سلیم کی تسکین کا باعث بنیں گے۔

حمدیہ شعر

جو راہِ حق میں کٹے ہم کو ایسا سر دینا ∴ ہمارے دل میں غریبوں کا درد بھر دینا

دیئے ہیں تو نے جہاں بھی حسین نظارے ∴ تو پھر خدایا ہمیں چشمِ معتبر دینا

نعتیہ شعر

یقیں ہے اُن کے حصّہ میں کہیں ذلت نہیں آتی ∴ کوئی ناکامیِ دنیا کوئی لعنت نہیں آتی

خدا کے ساتھ جو صلِّ علیٰ کا نام لیتے ہیں ∴ کبھی بھولے سے پاس اُنکے کوئی آفت نہیں آتی

منقبت حضرت خواجہ بندہ نوازؒ

فروزاں دل میں ہے شمعِ محبت میرے خواجہ کی ∴ جدھر دیکھوں نظر آتی ہے صورت میرے خواجہ کی

منتخب کلام

ذہن و دل پر نفرتوں کے جب نشاں باقی نہ ہے ∴ پھر ہمارے بھائی جیسے تم کہاں باقی رہے

روس، امریکہ، یمن سے چین سے کیا واسطہ ∴ میں یہ چاہوں اگا مرا ہندوستاں باقی رہے

فاصلے کچھ اس قدر ہیں اب دلوں کے درمیاں :. لوگ تھک کر سو گئے ہیں سرحدوں کے درمیاں
مجھ کو حیرت ہے کہ وہ بھی رو رہا تھا پھوٹ کر :. زندگی جس نے گزاری قہقہوں کے درمیاں

یہاں خون آلودہ منظر بھی ہوگا :. چھپا آستینوں میں خنجر بھی ہوگا
ستمبر بھی ہوگا نومبر بھی ہوگا :. نئے سال میں پھر دسمبر بھی ہوگا

اپنی چاہت کا ہمیں یوں بھی صلہ دیتے ہیں :. دل میں سوئی ہوئی نفرت کو جگا دیتے ہیں
ہم کبھی پوچھ لیں اُن سے کبھی قاتل کا نشاں :. ہم کو ہر وقت یہ باہر کا پتہ دیتے ہیں

تلخ ہے میری زباں تو کیا ہوا :. دل میں رکھتا ہوں تمہارا پیار بھی
مانتا ہوں آپ میرے بھائی ہیں :. بیچ میں دونوں کے ہے دیوار بھی

نہیں سوچا کہ گھر کس نے جلایا :. مرا گھر کیوں جلا سوچا بہت ہے
ترے سائے میں ہے دنیا و عقبیٰ :. مرے گھر ماں اترا رہنا بہت ہے

بھلا کب تک یہ منظر گردشِ ایام دیکھیں گے :. تھکے ہارے ہوئے مزدور صبح و شام دیکھیں گے
کہاں کی نوکری ملتی کہاں سے منتخب ہوتے :. مجھے معلوم تھا وہ لوگ میرا نام دیکھیں گے

جہاں میں کہیں جب ستم بولتا ہے :. وہیں پر ہمارا قلم بولتا ہے
اپنے سکوں کے شام و سحر کون لے گیا :. رستے سے کاٹ کر وہ شجر کون لے گیا
مراد شہزاد نہیں آیا ابھی تک :. مرے بھائی سے شاید جا ملا ہے

وہ مجھے زندگانی کے بڑے جاں سوز ہوتے ہیں :. بڑھاپے میں کسی کے ساتھ جب بیٹا نہیں ہوتا
حالات کے سورج نے تو قد اُن کا بڑھایا :. ناداں ہیں سائے کو بھی سایہ نہیں کہتے

چہرے کے سارے عیب چھپانے کے واسطے :. آئینہ اپنے گھر کا مجھے توڑنا پڑا

●●

ڈاکٹر سی. نارائن ریڈی
سابق وائس چانسلر تلگو یونیورسٹی

"رشتوں کی مہک"

(رسم اجراء تقریب کے موقع پر)

محترمہ گورنر صاحبہ، کمود بین جوشی، جسٹس سردار علی خاں صاحب، جناب عابد علی خاں صاحب، پروفیسر مغنی تبسم صاحب، شری موہن لال نگم اور میرے دوست صلاح الدین نیر صاحب اور معزز حاضرین۔

آپ نے مجھے جناب صلاح الدین نیر صاحب کے مجموعہ کلام "رشتوں کی مہک" کی رسم اجراء کی تقریب میں شرکت کے لئے مہمان خصوصی کی حیثیت سے جو عزت بخشی ہے اس کے لئے میں تہہ دل سے ممنون و مشکور ہوں۔

ادب نواز حضرات!

نیر صاحب کی یہ کتاب "رشتوں کی مہک" پڑھنے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس رشتہ کی مہک نے میرے دل میں سوئے ہوئے شاعر کو جگا دیا۔ نیر صاحب کے چند اشعار پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

رام لچھمن کی زمیں پر ایک الجھن اور ہے
ساری لنکا جل چکی ہے ایک راون اور ہے

ہاں! آج کے سماج کے نقشے پر گہری نظر ڈالیں تو ہر ایک کو پتہ چلے گا کہ آج راون کہاں کہاں ہیں اور کس روپ میں ہیں۔ آج کے راون کو دس سر نہیں ہیں بلکہ آپ اور

ہمارے چینیلہ صرف ایک سر ہے۔ صرف ایک شاعر ہی اپنی X-Ray کی نظر سے
پہچان سکتا ہے کہ راوَن کون ہے اور رام کون ہے۔

ایک اور شعر نیّر صاحب کا ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

زندگی ارزاں سہی خوش رنگ چہروں پر نہ جا
مانگ میں جس کی لہو ہے وہ سہاگن اور ہے

قدر دانِ سخن، جان گئے ہونگے کہ اس شعر میں اشارہ کس کی طرف ہے۔ مانگ سیندور سے سنواری جاتی ہے۔ لیکن آج کے حالات اتنے افسوسناک ہیں کہ مانگ میں سیندور کے بجائے خون سجایا جاتا ہے۔ ہاں! سیندور اور خون کا رنگ سرخ ہے لیکن لہو سے مانگ سجانے کے پیچھے جو دردناک پس منظر ہے اس کو اظہار کرنے میں نیّر صاحب نے جو نیا احساس دکھایا ہے اس کا کوئی جواب نہیں ـــــ میں یہاں ایک اور شعر پیش کر رہا ہوں۔ ؎

نیّر! اب ہو گئے جب بھی صلیبوں کے درمیاں ۔:۔ مٹی وطن کی ہاتھ میں سر پہ کفن رہے

نیّر صاحب نہ صرف رومانی شاعر ہیں بلکہ ترقی پسندی اور حب الوطنی کے علمبردار بھی ہیں۔

دوستو! آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ دیش کس سمت جا رہا ہے ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ جس نے مادرِ وطن کی چھاتی سے دودھ پیا ہے آج اُسی کے کلیجے پر خنجر سے وار کرنے کے لئے تیاری کی جا رہی ہے۔ آج دیش کے غداروں کے ہاتھ میں اگر موت بھی آ جائے تو نیّر میں چھپا ہوا شاعر کہتا ہے۔ یارو! مرنے کا مجھے غم نہیں لیکن مٹی وطن کی ہاتھ میں رہے کب؟ جب سر پہ کفن رہے۔

دوستو ! اگر میں یوں ہی "رشتوں کی مہک" کو پھیلاتا جاؤں تو ہر شعر، بادِ صبا جیسی تازگی لئے پھوٹے دلوں میں زخموں کے گلابوں کو کھلاتے ہوئے لہرا اُٹھے گا۔ ●●

۱۹۸۷ء

●

ڈیئر سر!

تلگو یونیورسٹی کی جانب سے آپ کو اُردو کے ممتاز شاعر کی حیثیت سے اعزاز دینے کے سلسلے میں ۱۳ر فروری ۱۹۹۲ء کو تلگو یونیورسٹی میں منعقد ہونے والی تقریب کے بارے میں اطلاع دی جا چکی ہے۔ وائس چانسلر تلگو یونیورسٹی ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی صدارت کریں گے۔

تلگو یونیورسٹی
۵ر فروری ۱۹۹۲ء

ڈی لکشمی نارائینا
رجسٹرار تلگو یونیورسٹی

ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی
سابق وائس چانسلر تلگو یونیورسٹی

"قافلہ چلتا رہے گا"

(رسم اجراء انجام دیتے ہوئے)

مجھے اپنے ایک بہترین دوست ممتاز شاعر جناب صلاح الدین نیرؔ کے فن اور شخصیت پر لکھی ہوئی تحریروں پر مشتمل کتاب "قافلہ چلتا رہے گا" کی رسم اجراء انجام دیتے ہوئے بے انتہا خوشی ہو رہی ہے۔ محترمہ صالحہ الطاف قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے نہایت عمدگی کے ساتھ اس کتاب کی ترتیب و تزئین کے بعد سلیقہ سے چھپوایا ہے۔

صلاح الدین نیرؔ سے میرے دیرینہ دوستانہ و شاعرانہ مراسم ہیں۔ نیرؔ صاحب ایک باصلاحیت شاعر اور ایک باشعور ادیب ہونے کے علاوہ ایک نفیس انسان بھی ہیں۔ ان کی شاعرانہ صلاحیتوں اور ان کی شخصیت پر اس کتاب میں شامل تحریروں کو پڑھنے کے بعد آپ کو بھی اندازہ ہوگا کہ آپ کے شہر کا شاعر، معاشرے میں اور اردو ادب کی دنیا میں کس درجہ اونچا مقام رکھتا ہے۔ صلاح الدین نیرؔ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ ایک عملی انسان بھی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے اب تک آٹھ شعری مجموعے اور ان سے متعلق تین نثری کتابیں منظر عام پر نہ آتیں۔

صلاح الدین نیرؔ کی ادبی شہرت ہندوستان کی حد تک ہی محدود نہیں ہے۔ ملک کے باہر بھی ہے بلکہ میں یہ کہوں گا کہ ساری اردو ادبی دنیا میں ان کی شاعرانہ

ہو چکی ہے۔ ہمارے لئے اور ہمارے شہر کے لئے بھی یہ بات قابلِ فخر ہے کہ ہمارے شہر کا یہ شاعر تمام ادبی حلقوں میں عزت و احترام کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ صلاح الدین نیّر کا سفر جاری ہے، وہ کسی بھی منزل پر رُکنے کے قائل نہیں ہیں۔ "قافلہ چلتا رہے گا" بھی بہت ہی اچھا اور یاد رکھا جانے والا نام ہے۔ میں صالحہ الطاف اور ڈاکٹر صابرہ سعید کو اس بہترین نام کے انتخاب پر مبارکباد دینا چاہتا ہوں۔ نیّر صاحب کی ایک اور خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنی دوستی نہایت دیانتداری کے ساتھ نبھاتے ہیں۔ مخلص اور بامروّت انسان ہیں۔ اُردو زبان کے شاعروں، ادیبوں کے ساتھ ساتھ ہندی اور تلگو کے شاعروں کے ساتھ بھی اِن کے اچھے خاصے مراسم ہیں۔ نیّر صاحب کی مقبولیت کا ایک راز یہ بھی ہے کہ وہ انسانی رشتوں کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اِن سے ملنے والوں کی فہرست میں ایک عام آدمی سے لے کر ایک اعلیٰ مرتبت انسان تک شامل ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو اس بات کا اندازہ ہوگا کہ صلاح الدین نیّر اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے سے ہی مقبولیت کی منزلیں طے کرتے آرہے ہیں۔ مجھے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ایک اور بار میں اپنے دوستوں کی محفل میں موجود ہوں۔

"قافلہ چلتا رہے گا" میں لکھنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ ممتاز دانشوروں نے نیّر صاحب کی ادبی خدمات اور اِن کی شاعرانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ذوقِ سلیم کا ثبوت دیا ہے۔ میرے خیال میں اُنہیں کے فن اور شخصیت پر یہ ایک جامع کتاب ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں میں آپ کے ساتھ اِس پُر مسرّت محفل میں شریک ہو کر اپنی خوشی میں اضافہ کر رہا ہوں۔ ●●

سن ۱۹۹۳ء

ڈاکٹر سی. نارائن ریڈی
سابق وائس چانسلر تلگو یونیورسٹی

"پھر وہی پرچھائیاں"

(رسمِ اجرا انجام دیتے ہوئے)

مجھے اپنے عزیز دوست صلاح الدین نیرؔ کی تازہ تصنیف "پھر وہی پرچھائیاں" کی رسمِ اجرا انجام دیتے ہوئے بے حد مسرّت محسوس ہو رہی ہے۔ میں تشکر گزار ہوں کہ ہر ایسے خوشگوار موقع پر مجھے یاد کیا جاتا ہے اور میں خوشی خوشی ایسی مسرّتوں کی محفلوں میں شریک ہوا کرتا ہوں۔

صلاح الدین نیرؔ جہاں ایک بہترین شاعر کی حیثیت سے اپنی عمدہ صلاحیتوں کا بھرپور احساس دلا چکے ہیں وہیں ایک باشعور ادیب کی حیثیت سے بھی یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ ایک اچھے نثر نگار بھی ہیں۔ "سلسلہ پھولوں کا" کے بعد "پھر وہی پرچھائیاں" اِن کی نثر کا بہترین نمونہ ہے۔

ہر اچھا شاعر ایک مصوّر ہوتا ہے۔ خوبصورت خیالات کے ذریعہ مناسب و موزوں الفاظ کے ساتھ زندگی کے خاکوں میں رنگ بھرتا ہے۔ اپنے اشعار کے ذریعہ زندگی کے مختلف رنگوں کی تصویریں بناتا ہے۔ اِسی طرح کا رنگ جو نیرؔ صاحب کی شاعری میں ہے، نثری تخلیق "پھر وہی پرچھائیاں" میں بھی ملتا ہے۔

نیرؔ صاحب نے اس کتاب میں اپنے بعض اہلِ قلم دوستوں کے بہت ہی

دلچسپ اور متاثر کن خاکے لکھے ہیں۔ بعض مشہور ادبی و تہذیبی شخصیتوں پر بھی اُن کے مضامین اور تبصرے شامل ہیں۔ ان کے سفر نامے بھی قابلِ مطالعہ ہیں۔ نیّر صاحب نے اپنی تحریروں میں نہ صرف اپنے شخصی مراسم کا ہی تذکرہ کیا ہے بلکہ اُن تحریروں کے پس منظر میں علمی، ادبی، سیاسی اور تہذیبی ماحول کی جھلکیاں بھی دکھائی ہیں۔ ان کی بعض تحریریں آٹوبیگرافیکل ہوتے ہوئے بھی نہ صرف شخصی دکھائی دیتی ہیں بلکہ اُن میں سماج کے شعور اور اُس زمانے کے رجحانات کا عکس بھی ملتا ہے۔

میرے دوست صلاح الدین نیّر نے میرے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ جس کے لئے میں اُن کا ممنون ہوں۔ انسانی تعلقات اور دوستی کی قدریں دن بہ دن گھٹتی جارہی ہیں۔ سماج کے اکثر لوگ خود غرضی، حسد اور انسان دشمنی کا زوال اد اکر رہے ہیں۔ فن اور سخن، تجارتی ماحول کے چوکھٹے میں جکڑے جارہے ہیں۔ ایسے ماحول میں نیّر صاحب نے انسانی دوستی کے ساتھ ساتھ اپنی شاعرانہ وضع داری اور بانکپن کو بھی باقی رکھا ہے۔ حالات کیسے ہی کیوں نہ رہے ہوں، میرا مشاہدہ ہے کہ نیّر صاحب زندگی کے ہر مرحلے پر ثابت قدمی کا ثبوت دیتے آرہے ہیں۔

صلاح الدین نیّر نے اپنی شاعرانہ پہچان کے بل بوتے پر جدّہ، ریاض، دوحہ قطر اور کویت تک پرواز کی ہے۔ اور بھی اونچائی تک اُڑنے کے لئے اُن کے بیر پرواز، پر تول رہے ہیں۔

سماج کے ایک اہم فرد، نامور شاعر و ادیب ہونے کے باوجود بھی اُن کی انکسارانہ طبیعت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اس کتاب میں نیّر صاحب نے خراجِ عقیدت کے طور پر مدیرِ "سیاست"

دلچسپ اور متاثر کن خاکے لکھے ہیں۔ بعض مشہور ادبی و تہذیبی شخصیتوں پر بھی اُن کے مضامین اور تبصرے شامل ہیں۔ ان کے سفرنامے بھی قابلِ مطالعہ ہیں۔ نیّر صاحب نے اپنی تحریروں میں نہ صرف اپنے شخصی مراسم کا ہی تذکرہ کیا ہے بلکہ اُن تحریروں کے پس منظر میں علمی، ادبی، سیاسی اور تہذیبی ماحول کی جھلکیاں بھی دکھائی ہیں۔ ان کی بعض تحریریں آٹوبیگرافیکل ہوتے ہوئے بھی نہ صرف شخصی دکھائی دیتی ہیں بلکہ اُن میں سماج کے شعور اور اُس زمانے کے رجحانات کا عکس بھی ملتا ہے۔

میرے دوست صلاح الدین نیّر نے میرے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ جس کے لئے میں اُن کا ممنون ہوں۔ انسانی تعلقات اور دوستی کی قدریں دن بہ دن گھٹتی جا رہی ہیں۔ سماج کے اکثر لوگ خود غرضی، حسد اور انسان دشمنی کا رُول ادا کر رہے ہیں۔ فن اور سخن، تجارتی ماحول کے چوکھٹے میں جکڑے جا رہے ہیں۔ ایسے ماحول میں نیّر صاحب نے انسانی دوستی کے ساتھ ساتھ اپنی شاعرانہ وضع داری اور بانکپن کو بھی باقی رکھا ہے۔ حالات کیسے ہی کیوں نہ رہے ہوں، میرا مشاہدہ ہے کہ نیّر صاحب زندگی کے ہر مرحلے پر ثابت قدمی کا ثبوت دیتے آ رہے ہیں۔

صلاح الدین نیّر نے اپنی شاعرانہ پہچان کے بل بوتے پر جدّہ، ریاض، دوحہ قطر اور کویت تک پرواز کی ہے۔ اور بھی اونچائی تک اُڑنے کے لئے اُن کے "پرِ پرواز" پر تول رہے ہیں۔

سماج کے ایک اہم فرد، نامور شاعر و ادیب ہونے کے باوجود بھی اُن کی انکسارانہ طبیعت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اس کتاب میں نیّر صاحب نے خراجِ عقیدت کے طور پر مدیرِ "سیاست"

ممتاز دانشور جناب عابد علی خان (مرحوم) کے بارے میں یوں کہا ہے۔

بلندیاں اُتر آتی تھیں اُس کے آنگن میں
زمیں پہ رہتا تھا وہ شخص آسماں کی طرح

اس شعر کے آئینہ میں صلاح الدین نیّرؔ کا عکس بھی دکھائی دیتا ہے، وہ اس لئے کہ نیّرؔ صاحب شاعر ہونے کے ناتے اگرچہ کہ بلندیوں پر پہنچ چکے ہیں لیکن اُن کے قدم زمین پر جمے ہوئے ہیں۔ ●● ۱۹۹۳ء

میں ایسی ہی شاعری کو قابلِ احترام سمجھتا ہوں جو زندگی کی روشن اور تعمیری اقدار کی ترجمان ہو۔ میری شاعری اور میرے نظریۂ فکر و فن میں کلاسیکی قدروں کے ساتھ ساتھ آپ کو ترقی پسند رجحانات اور عصری آگہی کی مثبت علامتیں بھی ملیں گی۔ میں اُن تمام باوقار، پُرخلوص اور محبت شناس شخصیتوں کا بھی سپاس گزار ہوں، جنھوں نے زندگی کے مختلف مرحلوں پر مجھے متاثر کیا ہے۔ میں اپنی زندگی کے اُن مرکزی اور غیر مرکزی کرداروں کو بھی یاد کرتا ہوں جن کی خوشبو کی مہک میری نظموں کے ایک ایک حرف میں بسی ہوئی ہے۔ آخر میں اُن تمام پاکیزہ رشتوں کو سلام کرتا ہوں جن کی دعاؤں کے اثر نے مجھے طوافِ خانۂ کعبہ اور زیارت گنبدِ خضرا کی برکتوں اور فیضان سے سرفراز کیا۔

●

(یہ کیسا رشتہ ہے)

ہاشم حسن سعید
ایم۔اے (عثمانیہ)
پرنسپل کالج آف لنگویجس

صلاح الدّین نیّر

(لیکن ترے دامن کو میں آواز نہ دوں گا)

صلاح الدّین نیّر کی شاعری اور شخصیت پر اب تک بہت سوں نے لکھا ہے لیکن میں نے اب تک کچھ نہیں لکھا۔ حالانکہ نیّر سے میری ۳۵ سال کی رفاقت ہے لوگ پوچھتے ہیں اور ان کا پوچھنا بجا بھی ہے کہ آخر نیّر پر میں نے کیوں نہیں لکھا۔ جبکہ نیّر کے ایک دو مجموعۂ کلام کو پڑھ کر یا مشاعروں میں ان کی چند ترنم ریز غزلیں سُن کر ہر کوئی کچھ نہ کچھ لکھ دیتا ہے۔ لیکن یہ بات تو صرف میں جانتا ہوں کہ نیّر پر یا نیّر کی شاعری پر میں نے قلم کیوں نہیں اُٹھایا۔ آج جبکہ مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ میں نیّر کے فن اور شخصیت پر کچھ اظہارِ خیال کروں، تو میں نے سوچا چلئے اس سربستہ راز کا انکشاف کر ہی دوں جو میں کرنا نہیں چاہتا تھا۔

مجھے کہنے دیجئے۔ نیّر جہاں ایک اچھے شاعر بہت اچھے شاعر ہیں وہیں وہ ایک اچھے اِنسان بھی ہیں۔ ایک اچھے انسان ہونے کے ناطے وہ جو کچھ سوچتے ہیں یا کرتے ہیں اُسی کا پرتو اِن کی شخصیت اور اِن کے فن میں مِلتا ہے۔ وہ بہت ہی صاف گو اور صاف دل آدمی ہیں۔ کینہ کپٹ چھل چھبل سے کوسوں دور۔ وہ نہ کسی کی حق تلفی کرتے ہیں اور نہ کسی کی حق تلفی ہونے دیتے ہیں۔ حق و صداقت کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے ان میں "جرأتِ رندانہ" بھی ہے اور "آئینِ جوانمردی" کی بے باکی بھی۔

ان کی صاف گوئی بسا اوقات دوسروں کو ناگوارِ خاطر ہی نہیں گزرتی بلکہ خود ان کے لئے

بھی بسا اوقات مصیبت بن جاتی ہے۔

نیّر ایک شریف النفس شخص ہیں۔ ان کی شرافت کا اس سے بڑا ثبوت

اور کیا ہوگا کہ وہ اپنے بدخواہوں سے بھی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ آپسی رنجش و اختلافات

اپنی جگہ پر لیکن جب زبان و ادب کا سوال آتا ہے تو وہ اپنا دستِ تعاون دراز کرنے

میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ اُنہیں کرسی سے کہیں دلچسپی نہیں رہی بلکہ ہمیشہ کرسی نشینوں

کی اس طرح تعظیم و تکریم کرتے ہیں کہ کرسی نشین سچ مچ اپنے آپ کو کرسی کا اہل سمجھنے

لگتے ہیں۔

نیّر ساری دنیا کا غم بانٹ لیتے ہیں لیکن اپنے غم میں کسی کو حصّہ دار بننے

نہیں دیتے۔ وہ ہر صدمہ کو خاموشی سے سہہ لیا کرتے ہیں۔ ان کا یہ شعر ان کے اسی

روّیہ کا مظہر ہے۔

پلکوں میں چھپا لوں گا اُمنڈتے ہوئے آنسو
لیکن ترے دامن کو میں آواز نہ دوں گا

نیّر سے میری ملاقات اُن دنوں ہوئی جب میں یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا

اور وہ اورینٹل اُردو کالج کے طالب علم تھے۔ یہ سنہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ یادیں تو بہت

پرانی ہیں مگر جب سوچتا ہوں تو تازہ لگتی ہیں۔ اُس زمانہ میں بین الکلیاتی اُردو فیسٹول

کا خوب شہرہ تھا۔ فیسٹیول ہر سال شاندار طریقہ پر منایا جاتا تھا جو شامِ نغمہ، شبِ

تمثیل اور کُل ہند مشاعرہ پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ ہر پروگرام کے لئے ایک الگ کنوینر

منتخب کیا جاتا تھا۔ نیّر اُس سال کُل ہند مشاعرہ کے کنوینر تھے۔ یہ مشاعرہ نہایت

نظم و ضبط کے ساتھ منعقد کیا گیا تھا۔ اس مشاعرہ میں مجروحؔ، ساحرؔ، فراقؔ اور
جاں نثار اخترؔ بھی شریک تھے۔ اور ان کے علاوہ بہت سے چوٹی کے شعراء بھی۔
ساحرؔ، فراق اور جاں نثار اخترؔ ویلکم ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہم سب طلباءُ
اُن سے ملاقات کرنے اور اُن کا تازہ کلام سُننے کے لئے جایا کرتے تھے۔ نیّرؔ نے
بحیثیت کنوینر ان تمام مہمان شاعروں کی خوب خاطر و مدارات کی اور مشاعرہ میں
واہ واہ کی صدائیں سُن کر ایسا لگا کہ اب چھتیں اُڑنے والی ہیں۔ یہ سب نیّرؔ کے
حُسنِ انتظام کا نتیجہ تھا۔ اِن ہی دِنوں میری اور نیّرؔ کی ملاقات ایک ایسی ہستی
سے ہوئی جس نے اپنے کردار اور اخلاق سے ہم دونوں کو گرویدہ کر لیا۔ نیّرؔ کو
تو ایسا لگا جیسے کُل کائنات سمٹ کر اس ہستی میں آ گئی ہو اور یہی ہستی آگے
چل کر "گُلِ تازہ" کی تخلیق کا محرک بنی۔ "گُلِ تازہ" کے بارے میں مجھے کہنے
دیجئے یہ کوئی تخیّلی پیکر نہیں ہے بلکہ گوشت کا مجسم پیکر ہے۔ یہ دوسروں کے
لئے ماورائے تصوّر ہو سکتا ہے لیکن کم از کم میرے لئے نہیں ہو سکتا۔

آپ نیّرؔ کا سارا کلام دیکھ لیجیے ہر جگہ اُسی "گُلِ تازہ" کی مہک ملے گی جتی
کہ ہر مجموعۂ کلام کے نام میں تک خوشبو کے اس سفر کا تسلسل موجود ہے۔ حسرتؔ
کی شاعری میں 'بوئے پیرہن' اور فیضؔ کی شاعری میں 'طوق و سلاسل' جس طرح
علائم کے طور پر استعمال ہوئے ہیں اِسی طرح "گُلِ تازہ" نیّرؔ کی شاعری میں ایک
علامت بن گیا ہے۔ نیّرؔ کے جذبے کی پاکیزگی اِن کے شریف النفس ہونے کا سب سے
بڑا ثبوت ہے مگر ساتھ ہی اُنہیں اس کی فکر لگی رہتی تھی۔

ہم تو صحرا نصیب ہی ٹھہرے ❊ تیرا کیا ہوگا اے گُلِ تازہ

نیّرؔ کی شاعری کا محور "گلِ تازہ" ضرور ہے لیکن اِن کے تخیّل کی وسعت انہیں اسی میں محصور نہیں رکھتی۔ وہ جذبات سے بالاتر ہو کر فکر کے اِس دریچے کو کھول دیتے ہیں جہاں سے وہ اپنے ماحول اور گرد و پیش کو دیکھ سکتے ہیں۔ وہ جو فضا میں سانس لیتے ہیں اس میں ہلکا سا ارتعاش بھی اُن کے احساسات کو مہمیز کرتا ہے۔ اِس کا اظہار اِن کی غزلوں میں بھی ملتا ہے اور نظموں میں بھی۔

میخانہ کی تہذیب پہ یہ سخت گھڑی ہے
رِندوں میں یہ کیوں آخرِ شب پھوٹ پڑی ہے
خوشبوئے بہاراں درِ زنداں پہ کھڑی ہے
میں ہوں کہ مرے پاؤں میں زنجیر پڑی ہے

نیّرؔ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں ویسے اُنہوں نے بہت سی عمدہ نظمیں بھی کہی ہیں۔ جو داخلی اور خارجی دونوں رجحات کی آئینہ دار ہیں۔ یعنی یہ نظمیں اِن کے سیاسی اور سماجی شعور کے علاوہ اِن کے وارداتِ قلبی کی مظہر ہیں۔ نیّرؔ کی غزل بڑی ترنم ریز ہوتی ہے وہ الفاظ و تراکیب کی موسیقیت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ مشاعرہ میں اپنے مخصوص لہجہ اور ترنّم سے غزل سناتے ہیں تو ایک سماں بندھ جاتا ہے۔ اُنہوں نے اپنے ترنّم سے کئی مشاعرے لوٹ لیئے ہیں۔

نیّرؔ کی شاعری کے ظاہری بانکپن میں باطنی حُسن ہر جگہ جھلکتا ہے ان کا کلام صفحۂ قرطاس پر آ کر بھی اتنا ہی جاذبِ نظر لگتا ہے۔ جتنا سُننے میں پُر اثر ہوتا ہے وہ بیشک ایک غنائی شاعر ہیں لیکن ان کی غنائیت اِنکے افکار اور احساسات پر غالب نہیں ہے۔ اِس غنائیت کی تہہ میں درد و کرب بھی ہے انجانے اندیشے بھی پیغامِ انسانیت بھی ہے اور تلخ حقیقتوں کا اظہار بھی۔ جمالیاتی شاعری میں یہ نیّرؔ کا منفرد رنگ و آہنگ ہے جو اِنکے معاصرین میں بہت کم ملتا ہے۔ ••

صالحہ الطاف
(مدیرہ خاتونِ دکن)

پھر وہی پرچھائیاں

(رسم اجراء کے موقع پر)

نیر بھائی کی کتاب "پھر وہی پرچھائیاں" کی اشاعت میرے لئے باعثِ فخر ہے۔
"پھر وہی پرچھائیاں" کی اشاعت سے بھی مجھے اتنی ہی خوشی حاصل ہوئی ہے جتنی خوشی اُن کی دوسری کتابوں کی اشاعت کے موقع پر ہوئی تھی۔ نیر بھائی کا شعری، ادبی و تہذیبی سفر بلاتکان جاری ہے بالکل بادِ صبا کی طرح۔

صلاح الدین نیر جب کوئی علمی و ادبی کام اپنے ذمہ لیتے ہیں تو اُس کے خوشگوار اختتام تک چین سے نہیں بیٹھتے۔ اِن کی سیماب صفت طبیعت نے اِنہیں علمی و ادبی سرگرمیوں میں مصروف رکھا ہے۔

آپ تمام واقف ہیں کہ صلاح الدین نیر کے تاحال شعری مجموعے 'گلِ تازہ' 'زخموں کے گلاب'۔ 'صنم تراش'۔ 'شکن در شکن'۔ 'خوشبو کا سفر'۔ 'رشتوں کی مہک'۔ 'سفر جاری ہے'۔ اور 'یہ کیسا رشتہ ہے'، شائع ہو چکے ہیں۔ اور حال ہی میں ایک اور شعری مجموعہ "کیا کیا جائے" شائع ہو چکا ہے۔ خود نوشت سوانح "سلسلہ پھولوں کا"۔ 'عظمت عبدالقیوم فن اور شخصیت' اور 'عظمت خیاباں' بھی اس سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ تلگو میں 'گلِ تازہ' کی منتخب غزلوں کا مجموعہ "نیر گیتالو" کے نام سے

صالحہ الطاف
(مدیر خاتونِ دکن)

پھر وہی پرچھائیاں

(رسمِ اجراء کے موقع پر)

نیّر بھائی کی کتاب "پھر وہی پرچھائیاں" کی اشاعت میرے لئے باعثِ فخر ہے۔
"پھر وہی پرچھائیاں" کی اشاعت سے بھی مجھے اتنی ہی خوشی حاصل ہوئی ہے جتنی خوشی اُن کی دوسری کتابوں کی اِشاعت کے موقع پر ہوئی تھی۔ نیّر بھائی کا شعری، ادبی و تہذیبی سفر بِلا تکان جاری ہے بالکل بادِ صبا کی طرح۔

صلاح الدین نیّر جب کوئی علمی و ادبی کام اپنے ذمّہ لیتے ہیں تو اُس کے خوشگوار اختتام تک چین سے نہیں بیٹھتے۔ اِن کی سیماب صفت طبیعت نے اِنہیں علمی و ادبی سرگرمیوں میں مصروف رکھا ہے۔

آپ تمام واقف ہیں کہ صلاح الدین نیّر کے تاحال ۹ شعری مجموعے 'گلِ تازہ' 'زخموں کے گلاب'، 'صنم تراش'، 'شکن در شکن'، 'خوشبو کا سفر'، 'رشتوں کی مہک'، 'سفر جاری ہے'۔ اور 'یہ کیسا رشتہ ہے'، شائع ہو چکے ہیں۔ اور حال ہی میں ایک اور شعری مجموعہ "کیا کیا جائے" شائع ہو چکا ہے۔ خود نوشت سوانح "سلسلہ پھولوں کا"۔ 'عظمت عبدالقیوم فن اور شخصیت' اور 'عظمت خیاباں' بھی اِس سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ تلگو میں 'گلِ تازہ' کی منتخب غزلوں کا مجموعہ "نیّر گیتالو" کے نام سے

منظرِ عام پر آچکا ہے۔

نیر بھائی ایک شاعر کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ ایک ادیب کی حیثیت سے
بھی اپنا ایک مقام بنا چکے ہیں ـــــ خود نوشت سوانح "سلسلہ پھولوں کا" لکھ
کر اپنی طرزِ حیات، اپنے کردار اور معاشرہ سے اپنے ربط کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اپنی
واردات قلبی کو نذرِ قارئین کیا ہے۔ یوں سمجھئے کہ اوراقِ گم گشتہ کو سمیٹ کر
انہوں نے کتابی شکل دی ہے۔ ضروری واقعات، واردات اور حادثات کو ایک جا
جمع کر کے جہاں انہوں نے اپنی شخصی سوانح ترتیب دی ہے وہیں "قافلہ چلتا رہے
گا" میں اہلِ قلم اصحاب نے اُن کی شخصیت کے پہلو پر تصنع اور بناوٹ سے پرے
نہایت ایمانداری سے قلم اٹھایا ہے۔ اور اس طرح ان کی شخصیت نگاری، سیرت
و کردار، علمی و ادبی پہلو کو اجاگر کیا ہے۔

پھولوں کی رہ گذر پہ چلنے والا شاعر اپنے دامن میں رشتوں کی مہک
لئے ہوئے ہے۔ پھولوں کا کھلنا ایک آغاز ہی نہیں ایک علامت بھی ہے۔ جو
"گلِ تازہ" کا مظہر ہونا بہت ہے۔ انہیں پھولوں سے رشتہ ہے۔ زخموں سے اُلفت
ہے۔ "خوشبو کا سفر" جو ماحول کو معطر کئے ہوئے ہے۔ رشتوں کی مہک جو ضبط
وقار کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ "زخموں کے گلاب"، "شکن
در شکن" سفر جاری ہے ـــ صنم تراش کے خواب کی طرح بس یوں سمجھئے کہ "قافلہ
چلتا رہے گا" کے مصداق بولتے ہوئے الفاظ کے ذریعہ، زندگی کے اُتار چڑھاؤ،
وقت کی دھوپ چھاؤں میں انہوں نے چلتی پھرتی پرچھائیاں تراشی ہیں۔

مواد کی فراہمی، افراد، مقامات، ماخذ کی سہولتیں انہیں حاصل ہیں،

کیونکہ اِن کے روابط و تعلقات کا دائرہ وسیع ہے۔

اپنی کتابوں کے ذریعہ اپنی بات دوسروں تک پہنچانا ہر اہلِ قلم کا ایک کارنامہ ہوتا ہے۔ اپنے خیالات کو ایک کتابی شکل میں محفوظ رکھنے کی جو سعی نیرؔ بھائی نے کی ہے۔ وہ قابلِ مبارکباد ہے۔ ●● ۱۹۹۲ء

جنابِ عالی : صلاح الدین نیرؔ

تلگو یونیورسٹی چاہتی ہے کہ اس تعلیمی سال سے ایم۔ اے (انڈین لٹریچرس) شروع کیا جائے۔ وائس چانسلر تلگو یونیورسٹی نے ایم۔ اے، اُردو کیلئے ایک بورڈ آف اسٹڈیز تشکیل دی ہے۔ اس بورڈ کے رکن کی حیثیت سے آپ کا نام بھی شامل کیا گیا ہے۔ اُردو کے دیگر ارکین میں عابد علیخاں مدیر سیاست، پروفیسر سیدہ جعفر پروفیسر مغنی تبسم شامل ہیں۔ بورڈ آف اسٹڈیز کی پہلی میٹنگ ۱۵ جولائی سنہ ۱۹۸۹ء ۱۰/ بجے صبح تلگو یونیورسٹی و کلا بھون سیف آباد میں ہوگی۔ درخواست کیجاتی ہے کہ آپ کسی حال اس میٹنگ میں شریک

رجسٹرار تلگو

تلگو یونیورسٹی۔ ۳۰ رجون سنہ ۱۹۸۹ء

ڈاکٹر حبیب ضیاء
ریڈر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ

خوشبو کا سفر

"خوشبو کا سفر" کی رسم اجرا بہت شاندار پیمانے پر ہوئی۔ جلسے کے اختتام پر صلاح الدین نیر بڑے لوگوں کو خدا حافظ کہنے میں مصروف تھے۔ میں نے انہیں روک کر دھمکی دینے کے انداز میں کہا "آپ کی کتاب پر تبصرہ لکھ رہی ہوں"۔ یہ سنتے ہی وہ تیز تیز قدم ڈالتے ہوئے اُس میز تک پہنچ گئے جہاں "خوشبو کا سفر" کے نسخے رکھے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے ایک کتاب پر میرا نام لکھا اور دستخط کر کے کتاب میرے حوالے کر دی۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی کے اِس دور میں کتابیں مفت حاصل کرنے کا یہ انتہائی آسان اور آزمودہ نسخہ ہے۔ صرف ذرا سی ہمت اور ہوشیاری کی ضرورت ہے۔

"خوشبو کا سفر" صلاح الدین نیر کا پانچواں شعری مجموعہ ہے۔ اس سے قبل اِن کے کلام کے جو مجموعے چھپ کر مقبولِ عام ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔ "گلِ تازہ"۔ "زخموں کے گلاب"۔ "صنم تراش"۔ "تسکینِ درِ تسکین"۔

"گلِ تازہ" کی منتخب غزلوں کا منظوم تلگو ترجمہ "نیر گیتا لو" کے نام سے ۱۹۷۵ء میں چھپ چکا ہے۔ بہت کم شاعر اور ادیب ایسے ہوتے ہیں جن کی تخلیقات ادبی

دنیا میں مقبول ہو کر قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔

کتاب کی ابتداء میں محترم عابد علی خاں صاحب ایڈیٹر "سیاست" نے "ایک حساس شاعر" کے عنوان سے بہت ہی خوبصورت انداز میں صلاح الدین نیّر کا تعارف کروایا ہے۔ شاعری کے ضمن میں اُنہوں نے لکھا ہے کہ نیّر زودگوئی کے ساتھ شاعری کا معیار بھی برقرار رکھتے ہیں اور کسی لیبل کے بغیر بھی عصرِ حاضر کے ایک حساس شاعر ہیں۔

محترم عابد علی خاں صاحب کے تعارف کے بعد ڈاکٹر مغنی تبسّم پروفیسر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ کا عالمانہ پیش لفظ ہے۔ اس میں اُنہوں نے نیّر کی شاعری کا محققانہ جائزہ لیا ہے۔ اِن کی غزل کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

"صلاح الدین نیّر کی غزل صرف وارداتِ عشق کی ترجمانی نہیں ہے۔ اُنہوں نے حیاتِ انسانی کے گوناگوں مسائل کے بارے میں اپنے افکار اور محسوسات کو بھی عمدگی کے ساتھ مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اُنہوں نے دورِ حاضر میں اعلیٰ انسانی قدروں کی شکست و فنا کے مرثیے ہی نہیں لکھے بلکہ اِن کو حیاتِ نو بخشنے کا عزم بھی ظاہر کیا ہے۔"

صلاح الدین نیّر مشاعروں کے انعقاد میں بڑے انہماک اور دلچسپی سے حصّہ لے کر انہیں کامیاب بناتے ہیں۔ اگر کسی کو لازم و ملزوم کا مطلب سمجھنا ہو تو مشاعرے اور صلاح الدین نیّر کا ذکر ایک ساتھ کیا جاسکتا ہے۔

مجموعے میں شامل غزلوں میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو پڑھنے والے کو فوراً متاثر کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دنیا میں مقبول ہو کر قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔

کتاب کی ابتدا میں محترم عابد علی خاں صاحب ایڈیٹر 'سیاست' نے ایک "حساس شاعر" کے عنوان سے بہت ہی خوبصورت انداز میں صلاح الدین نیّر کا تعارف کروایا ہے۔ شاعری کے ضمن میں اُنہوں نے لکھا ہے کہ نیّر زود گوئی کے ساتھ شاعری کا معیار بھی برقرار رکھتے ہیں اور کسی لیبل کے بغیر بھی عصر حاضر کے ایک حساس شاعر ہیں۔

محترم عابد علی خاں صاحب کے تعارف کے بعد ڈاکٹر مغنی تبسّم پروفیسر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ کا عالمانہ پیش لفظ ہے۔ اس میں اُنہوں نے نیّر کی شاعری کا محققانہ جائزہ لیا ہے۔ اِن کی غزل کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

"صلاح الدین نیّر کی غزل صرف وارداتِ عشق کی ترجمانی نہیں ہے۔ اُنہوں نے حیاتِ انسانی کے گوناگوں مسائل کے بارے میں اپنے افکار اور محسوسات کو بھی عمدگی کے ساتھ مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اُنہوں نے دورِ حاضر میں اعلیٰ انسانی قدروں کی شکست و فنا کے مرثیے ہی نہیں لکھے بلکہ اِن کو حیاتِ نو بخشنے کا عزم بھی ظاہر کیا ہے۔"

صلاح الدین نیّر مشاعروں کے انعقاد میں بڑے انہماک اور دلچسپی سے حصّہ لے کر انہیں کامیاب بناتے ہیں۔ اگر کسی کو لازم و ملزوم کا مطلب سمجھنا ہو تو مشاعرے اور صلاح الدین نیّر کا ذکر ایک ساتھ کیا جاسکتا ہے۔

مجموعے میں شامل غزلوں میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو پڑھنے والے کو فوراً متاثر کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

مسند نشین ہوں آج تو حیرت ہے کس لئے
فرشِ نگاہِ دوست بھی برسوں رہا ہوں میں

خدا سے اپنے کبھی میں نہ مانگتا آنکھیں
تمہاری دید کو گر عمر بھر ترستا تھا

یہ کہہ کے گیا کوئی، باد یدۂ نم کل شب
میں آؤں یا نہ آؤں دروازہ کھلا رکھنا

آپ کی بہکی ہوئی آنکھوں میں نفرت ہے کہ پیار
جھوٹ سچ جو بھی ہو آکر سرِ منبر کہنا

میں نے تبصرہ لکھنے میں جان بوجھ کر تاخیر کی۔ مجھے یقین تھا کہ اس پر کسی اکیڈیمی سے ضرور ایوارڈ ملے گا۔ حال ہی میں اُتر پردیش اُردو اکیڈیمی نے اس کتاب پر گراں قدر ایوارڈ دیا ہے جس کے لئے میں ساری ادبی دنیا کی طرف سے صلاح الدین نیّرؔ کو مبارکباد دیتی ہوں۔ ••

فاطمہ تاج

"پھر وہی پرچھائیاں"

"گلِ تازہ" سے زخمی ہونے والے شاعر کا نام ہے "صلاح الدین نیّر" ــــــ
جن کے تقریباً سبھی شعری مجموعوں اور ایک نثری مجموعے پر میں بھی اظہارِ خیال کر چکی ہوں۔
"پھر وہی پرچھائیاں" کاغذی پیرہن کی شکل میں میرے سامنے ہے" نگارشات
کی منوفشانیاں دنیائے ادب کو جگمگا رہی ہیں، یہ پرچھائیاں انہی پھولوں کی ہیں جو نامور
ادیب و ممتاز شاعر کے گرد و پیش "حصارِ حیات" کی طرح ٹھہری ہوئی ہیں۔ بہ حیثیت
شاعر کافی عرصہ سے انہیں پڑھنے اور سننے کا اتفاق ہوتا رہا ہے اور ان کا تعارف بھی
بحیثیت شاعر ہی ہوا ہے لیکن کئی کتابوں کو مرتب کرنے اور خود اپنی کتابوں میں اپنا
تعارف لکھنے کا انداز بلاشبہ دانشورانہ ہے۔ ان کی نثر کا شاعرانہ پن ثابت کرتا ہے کہ

زمیں اور بھی آسماں اور بھی ہیں

یعنی کہ شاعر میں ہر طرح کی ادبی صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود ہیں جس کا اظہار وہ
وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں، جیسے کہ شدید موسمِ گرما میں کبھی کبھی بوندا باندی ہو جاتی ہے
ان کی تقریر و تحریر کے گھیرے بادل جب قارئین و سامعین پر برسنے لگتے ہیں تو اس بھیگے
ماحول سے آدمی گریز نہیں کرتا بلکہ بڑے انہماک سے "موسم" کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

مجھے ایک عرصے تک یہی معلوم تھا کہ صلاح الدین نیّر صاحب ایک شاعر ہیں

لیکن مطالعہ کے شوق میں جب ذرا آگے بڑھی تو شعر و ادب کی راہوں میں اِن کی شخصیت "میرِ کارواں" کی طرح نظر آئی۔

اِنفرادی سفرنامے پڑھنے کو ملے۔ دیارِ نبیؐ اور خانۂ کعبہ سے تعلق میں ہر ایک کی دِلی کیفیت جاننا چاہتی ہوں شائد اِس لئے بھی کہ اُس سرزمینِ پاک کے کسی ذرّہ سے میری بھی تخلیق ہوئی۔۔۔!

اللہ تعالٰی نے اِنسان کو جو بھی فن دیا اپنی مرضی سے دیا اور اس کے بعد اس فن کا استعمال، بندے کے اختیار پر چھوڑ دیا کہ وہ جیسے چاہے کرے۔ شعر و ادب کی دنیا میں تہلکہ مچے یا نہ مچے لیکن ان پرچھائیوں نے بہت سے لوگوں کو چونکا دیا ہے۔ اس میں صرف ایک "پرچھائیں" ایسی ہے جس سے میں بخوبی واقف ہوں اور اس "پرچھائیں" کا نام ہے ـــــ "فاطمہ تاج" ـــــ

بلاشبہ یہ پہلا موقع ہے جو نیّر صاحب نے مجھ جیسی ناچیز ہستی کو ضبطِ تحریر میں لانے کا فن نموتاً قارئین کے سامنے پیش کیا ہے جو بہت مشکل کام تھا۔ انہوں نے میرے تحریری احساسات کو پوری طرح خود اعتمادی میں بدلنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ مجھ پر اپنی رائے لکھ کر اُس مقام کی نشاندہی کی ہے جہاں میں اُن کی رہنمائی اور قارئین کے تعاون اور اپنی ممکنہ کوششوں سے پہنچ سکتی ہوں۔ اُنہوں نے اپنے قلم سے "دیارِ شعر و ادب کا ایک معتبر نام فاطمہ تاج" لکھ کر اور بار بار کتاب کی تزئین و ترتیب پر شکریہ ادا کرکے مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں اس قافلے میں شامل ہوں جس کے "میرِ کارواں" نیّر بھائی ہیں۔ اُنہوں نے مجھ پر لکھی گئی کتابوں کے پیش لفظ اور تبصروں کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "فاطمہ نے روابط اور دوستی کے فرق

محسوس کرنے کے لئے کوئی فہرست تو نہیں بنائی لیکن ان کی طرزِ حیات سے پتہ چلتا ہے کہ اِن کی زندگی کا ایک گوشہ ایسا بھی ہے جس میں کچھ لوگ اِنتہائی خلوص کے ساتھ رونق افروز ہیں۔" اِس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ میری تحریروں کا وہ جائزہ ہی نہیں لیتے بلکہ بہت خاموش طریقے پر مزاج کو سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ " اللہ نے ان میں ایک ایسی صلاحیت ودیعت کی ہے کہ وہ چلتے پھرتے شعر کہتی ہیں۔ ایک ہی نشست میں ۱۰، ۱۵ منٹ کے اندر مضمون لکھ دیتی ہیں یہ میرا مشاہدہ ہے اسلئے یہ بات ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں۔"

اب اس سے بڑھ کر نہ تو کوئی میرا جائزہ لے سکتا ہے نہ اس اعتماد سے قطعی رائے کا اظہار کرسکتا ہے ویسے بھی زیادہ تر میری تخلیقات کا بار وہی اُٹھاتے رہے ہیں جب بھی میں نئی چیز لکھتی تو نیّر بھائی کو ضرور سُناتی ہوں، اس طرح اِن کا اندازہ اعتماد کی منزل تک جا پہنچا۔ شعر و ادب کی دنیا میں اپنی پہچان بنانے کے لئے میں نے خاک تو نہیں چھانی مگر کچھ "نقشِ قدم" کا تعاقب کرتے ہوئے راہبر تک پہنچ گئی اور نیّر بھائی نے پورے خلوص و احترام کے ساتھ میری رہبری کی، سچ پوچھا جائے تو میرا "تربیتی سفر" اب آغاز ہوا ہی چاہتا ہے۔

"پھر وہی پرچھائیاں" مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ دیارِ شعر و ادب میں میرا نام "معتبر" ہے۔ خدا کرے کہ مجھے یقین آجائے۔ اب اِن کی تحریروں کے خاص وہ حصے لکھنا چاہوں گی جو اُنھوں نے اپنے دوست احباب کی شخصیتوں پر لکھی ہیں۔

- رشتوں کی پاسداری میں رئیس اختر بے حد وضعدار انسان ہیں۔ وضع داری کی انتہا یہ بھی ہے کہ بہت سے خوشگوار لمحے اُن کی پلکوں پر نورِ سحر بن کر چمکتے رہتے

رئیس اختر کو میں نے روابط کے ہر مرحلہ پر ایک بہترین اور با اعتماد دوست پایا ہے۔ رئیس اختر بھی حیدر آباد کے اُن مقبول شاعروں میں سے ایک ہیں جنہیں خدا نے اپنی خاص مہربانی سے ایک باوقار مقام عطا کیا ہے۔

• ڈاکٹر صادق نقوی میرے اُن اولین شاعر دوستوں میں سے ایک ہیں جن کی دلنواز شخصیت کے گہرے نقوش آج بھی میرے دل پہ اُسی طرح مرتسم ہیں جس طرح پہلی ملاقات کے موقع پر تھے۔ صادق نظام کالج کے اُن پُرکشش سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کروانے والے ایک ایسے ہونہار طالب علم کی طرح مقبول ترین شخصیت بن گئے تھے جن سے دوستی کے لئے نظام کالج کا کیا ذکر، شہر کے دیگر کالجس کے طلباء بھی متمنی رہتے تھے۔

• ناصر کرنولی بھی میرے اُن ہم خیال دوستوں میں سے ایک ہیں جن سے گفتگو کرتے ہوئے میں تازگی محسوس کرتا ہوں۔ مدینہ ہوٹل میں ہماری بیٹھک تقریباً دس سال رہی۔ بڑے خوشگوار دن تھے وہ۔ اب نہ وہ نشستیں ہیں اور نہ وہ ماحول اور نہ وہ دن رات، زندگی ہے کہ مشین بنی ہوئی ہے۔ چاہے وہ موسم خزاں ہو کہ موسم بہار اچھے دوست ہمیشہ میرے ساتھ رہتے ہیں۔ ناصر کرنولی بھی میرے ساتھ رہتے ہیں۔ ناصر کرنولی میرے اُن اولین شاعر دوستوں میں سے ایک ہیں جن کی دوستی کی پہلی خوشبو آج بھی میرے جسم و جاں کو مہکا رہی ہے۔

• جس کسی کو بھی مصطفےٰ کمال کے کردار کی بلندی کا جائزہ لینا مقصود ہو تو اُس کے لئے ضروری ہوگا کہ پہلے وہ اُن کی اُصول پسندی، شرافت، دیانتداری، بے لوث اور بے غرض روابط کا جائزہ لے۔ مصطفےٰ کمال بھی میرے شریف النفس محب شناس اور وضعدار دوستوں میں سے ایک ہیں جن سے مل کر مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے۔

• نہپال سنگھ ورما کانام ہندی، اُردو کی ہر شائستہ اور پُر وقار محفل میں عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ معاشرے میں یوں تو قابلِ رشک و قابلِ تحسین بہت سے لوگ مل جائیں گے لیکن ایسے لوگ کم ملیں گے جن کے جینے کا مقصد ہی اپنے لئے کم اور دوسروں کے لئے زیادہ ہو اور جن کے صبح شام آس پاس کے لوگوں کی زندگی، ان کے علمی، ادبی و فلاحی کاموں کے لئے بادِ صبا کے لہراتے ہوئے آنچل کی طرح معطّر ہوں۔

• گزشتہ ۵، ۷ سال کی رفاقت میں کبھی بھی، کہیں بھی، کسی وقت بھی میں نے اِن کے کردار میں کسی قسم کا جھول نہیں پایا۔ منان منظورؔ ایک سبک خرام نرم گفتار، اور باشعور شاعر ہونے کے علاوہ بے حد مخلص انسان ہیں۔ وہی شخص معاشرہ میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے جو اپنی عزتِ نفس کا تحفظ کرتا ہو۔ میں نے منان منظورؔ کو اِن تمام خصوصیات کے ساتھ اپنے خانۂ دل میں بٹھایا ہے۔

• مادرِ جامعہ عثمانیہ اپنے جن لائق فرزندوں پر ہمیشہ ناز کرتی رہے گی اور جب مورخ جامعہ عثمانیہ کے عالمی شہرت یافتہ سپوتوں کی فہرست بنائے گا تو ڈاکٹر سی نارائن ریڈی کا نام بھی اُس فہرست میں سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب جیسے اعلیٰ ظرف، وضع دار لوگ بہت کم ملتے ہیں جو بلند مرتبہ کے حامل ہونے کے باوجود انسانی کمزور رشتوں سے جُڑے ہوئے لوگوں سے بھی اپنا رشتہ رکھتے ہیں۔

• بعض شخصیتیں اس قدر پُرکشش اور متاثر کُن ہوتی ہیں کہ وہ پہلی ملاقات ہی میں اپنے وجود کا احساس دلاتی ہوئی اپنی شائستہ مزاجی کا پتہ دیتی ہیں۔ (ایم۔ اے۔ رؤف)

پروین کمال سے انٹرویو بڑے سلیقے سے لیا گیا ہے جو اس سے پہلے سیاست'
اخبار میں شائع ہو چکا تھا۔

مختلف تصانیف پر زوردار تبصرے بھی پڑھنے کو ملتے ہیں۔ خود اپنی
کتابوں کے پیش لفظ افسانوی انداز میں لکھے گئے، ملاحظہ ہو۔ "گلِ تازہ" میں
سرگزشتِ دل میں لکھتے ہیں "انسان کی زندگی میں غم ہی زیادہ ملتے ہیں، خوشیوں
کی جھلک کہیں کہیں دکھائی دیتی ہے۔" حدیثِ دل" (زخموں کے گلاب)۔ "بکھری
ہوئی زندگی تشکل ہی سے سمٹتی ہے۔ حیاتِ انسانی فطرت کی روشنی اور دھندلکوں
سے عبارت ہے۔"

"خوشبو کا سفر" "اپنی پہچان کے لئے دوسروں کی شناخت بھی ضروری
ہے۔"

"تسکین در تسکین"۔ "گلِ تازہ" میری شاعری کا ایک خوبصورت آئیڈیل
ہے جس کے اطراف میری شاعری گھومتی ہے۔"

"رشتوں کی مہک"۔ "مجھے فطرت کی رعنائیوں کے ساتھ ساتھ زندگی
کی تلخ حقیقتوں سے بھی پیار ہے۔"

"یہ کیسا رشتہ ہے"۔ "یہ انسانی رشتے ہی تو ہوتے ہیں جو ایک انسان کو دوسرے
انسان کو سمجھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں، یہ انسانی رشتے ہی تو ہوتے ہیں جو ایک انسان
کو نہ صرف اپنی قربت کا احساس دلاتے ہیں بلکہ فاصلوں سے بھی روشناس کراتے ہیں۔"

"سلسلہ پھولوں کا"۔ "زندگی میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ انسان اپنی
شناخت کے لئے دوسروں کی پہچان کا بھی سہارا لیتا ہے۔"

"پھر وہی پرچھائیاں" کے آخری صفحہ پر "اظہارِ تشکر" میں اس ناچیز کا بھی نام ہے جو میرے لئے باعثِ فخر و مسرت ہی نہیں بلکہ اعزاز بھی ہے۔ ••

"گُلِ تازہ" مجھے اپنی زندگی کی طرح عزیز ہے۔ یہ نام مجھے بہت پسند ہے۔ اِس نام کے ذکر ہی سے میری روح جھوم جھوم اُٹھتی ہے۔ اس کے ہر ایک لفظ میں میری کتنی ہی جوان راتوں کا سوز و گداز، کتنی ہی بھیگی راتوں اور جلتے ہوئے دلوں کا شباب، سُلگتی ہوئی آنکھوں کی نمی اور تڑپتے ہوئے دل کا درد شامل ہے۔ کئی مہکتی ہوئی راتوں کا قرار، کئی دلوں کی بے تابیاں، کئی ناتمام، مبہم، خاموش آرزوئیں زندگی کی کئی مسرتیں، کئی اُداسیاں اور تلخیاں شامل ہیں۔

"گُلِ تازہ" کی ایک ایک پنکھڑی پر میری بھیگی ہوئی پلکوں کی نمی اس کے ایک ایک ورق پر میرے دل کا خون شامل ہے۔ "گُلِ تازہ" عطیہ ہے وقت کے ایک جانفزا اور کیف آور لمحہ کا۔

"گُلِ تازہ" میرے نغمات کا حاصل ہے۔ "گُلِ تازہ" میری زندگی کا دوسرا نام ہے۔ •

(گُلِ تازہ)

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید

"سفر جاری ہے"

(رسم اجرا تقریب کے موقع پر)

O

اُفقِ شہر پہ اِک چاند نیا نکلا ہے
ہو مبارک کہ اُجالوں کا "سفر جاری ہے"
زُلفِ اُردو کے سنورنے کا ہے اِمکان بہت
چند دیوانے ابھی ہیں انہیں زلفوں کے اسیر
اِن کے دم خم سے ہے اُردو پہ نکھار
اِن کی سانسوں سے ہے اُردو پہ بہار
اِن کے تیور سے ہے اُردو کا وقار
قابلِ رشک ہے اِن کی خدمت!
لائقِ داد ہے اِن کی ہمّت!
کردیا نیّرؔ تاباں نے یہ ثابت بے شک
شہر میں آج بھی ہے ذوقِ سلیم!
حیدرآباد میں دل والے ابھی باقی ہیں!
ادب و شعر کے متوالے ابھی باقی ہیں!

نایاب سلطانہ

اردو کا پیغام میر کے نام

○

جراٴت حسن عمل کا ہی محبت نام ہے
خامۂ میر ترا ہر لفظ اک پیغام ہے
دیکھتی ہے جب بھی تجھ کو تیری چشم معتبر
اور یقیں ہوتا ہے مجھ کو تو ہے سچا راہبر
فکر رہتی ہے تجھے زلفِ پریشاں سے مری
کاوشِ تزئین تیری ہے مری صورت گری
میری صورت میری غربت کی کرے ہے فکر تو
کاش یہ خوشبو اڑالے جائے مجھ کو کو بکو
آئینہ ایسا بنا صورت نظر آئے مری
کر رفو اس طرح، تجھ سے سیکھ لے بخیہ گری
میرا چہرہ، میرا قد، میری بلندی میرا سر
کس طرح اس کو بچا سکتے ہیں یہ تدبیر کر

تو مجاہد ہے تو مجھ کو خوف کیا زنجیر کا
صورتِ خورشید ہوگا رُخ میری تصویر کا
میرا یہ پیغام بے خوف و خطر سب کو سُنا
چاہنے والوں کا میرے جب بھی ہوگا سامنا
مصلحت ہوتی نہیں اظہار کرنے کے لئے
شمع گل کرتے نہیں دیدار کرنے کے لئے
کچھ نہ کہنے سے تو بہتر ہے کہ کچھ کہتے رہیں
اور ٹھہر جانے سے اچھا ہے یہی چلتے رہیں
دشتِ وحشت نے اُڑائیں کتنی میری دھجیاں
جن میں اس طرح کہ بن جائیں ہزاروں بستیاں
یوں محبت سے پکارو سو اُٹھانے کے لئے
بات کچھ ایسی سُناؤ مسکرانے کے لئے
کوششِ جہدِ مسلسل سے ہے منزل کا ظہور
جس کا سورج میرے ماتھے سے طلوع ہوگا ضرور

ایک دن نایاب ہوگی میرے گلشن کی بہار
قافلے سب مل کے اُٹھیں ختم ہوگا خلفشار

فاطمہ تاج

"سلسلہ پھولوں کا"

(رسمِ اجرا، تقریب کے موقع پر)

○

پھر گلشنِ ادب میں پھولوں کے سلسلے ہیں
خوشبو کے اِس سفر میں کچھ لوگ چل رہے ہیں

ہر گُل یہاں ہے تازہ، موسم بہار کا ہے
جو دل میں تھے نہاں وہ رشتے مہک رہے ہیں

کیا کیا کتابِ دل کے صفحوں میں روشنی ہے
ہر باب ہے درخشاں، تاروں کے قافلے ہیں

روشن ہے نقطہ نقطہ، ہر لفظ ہے منوّر
تاریکیوں کے دامن کرنوں سے پھر سجے ہیں

شعر و ادب کی رہ میں اب بھی سفر ہے جاری
رشتے ہیں جانے کیسے سب ساتھ چل پڑے ہیں

نیّر ہے نام جس کا تابانیاں ہیں اُس کی
تحریر، ضو فشاں ہے، جملے چمک رہے ہیں

ہم تاج کر رہے ہیں ہر لمحہ یہ دعائیں
لمبی ہو عمر اِن کی جو مہرباں ہوئے ہیں

سب ختم ہو گئے ہیں حائل جو مرحلے ہیں
ہر اِک قدم پہ اب تو پھولوں کے سلسلے ہیں

ہر لفظ لفظ نیّر، ہر نقطہ ہوگا سورج
تابندہ سلسلوں کو یوں لے کے ہم چلے ہیں

صاحبانِ فکر و نظر یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک تخلیق کار کو کیسے کیسے انسانی رشتوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ یہ انسانی رشتے ہی تو ہوتے ہیں جو ایک انسان کو دوسرے انسان کو سمجھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ یہ انسانی رشتے ہی تو ہوتے ہیں جو ایک انسان کو نہ صرف اپنی قربت کا احساس دلاتے ہیں بلکہ فاصلوں سے بھی روشناس کراتے ہیں۔ یہ انسانی رشتے ہی تو ہوتے ہیں جو ایک انسان کو زندگی کی بلندیوں اور پستیوں سے واقف کراتے ہیں۔ اگر انسان کسی نہ کسی رشتے سے وابستہ نہ ہو تو زندگی کا کوئی مقصد ہی نہ ہوگا۔ بعض رشتے اگرچہ بے نام ہوتے ہیں لیکن اِن کا ہر لمحہ اپنی پہچان کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ •

(یہ کیسا رشتہ ہے)

فاطمہ تلج

"قافلہ چلتا رہے گا"

(رسمِ اجراء کے موقع پر)

○

"گلِ تازہ" کی تو سب لوگ خبر رکھتے ہیں
ہم بھی کچھ پھول یہاں پیشِ نظر رکھتے ہیں

اب بھی باقی ہے یہاں سلسلہ پھولوں کا کہ ہم
ہم بھی ماحول میں خوشبو کا سفر رکھتے ہیں

اب بھی تازہ ہیں ترے مہکے ہوئے زخموں کے گلاب
اب بھی اشعار یہاں دل کا اثر رکھتے ہیں

کیسا رشتہ ہے کہ "رشتوں کی مہک" سے اب بھی
ہم سے گرویدۂ غم دیدۂ تر رکھتے ہیں

"قافلہ چلتا رہے گا" ہے یقیں ہم کو بھی
ہے سفر جاری کہ ہم عزمِ سفر رکھتے ہیں

ان کو کہنا ہی نہیں نسبتِ تاباں کے سوا
اپنے دامن میں ہمیشہ جو سحر رکھتے ہیں

فاطمہ تاج

پھر وہی پرچھائیاں

(رسمِ اجرا تقریب کے موقع پر)

○

پھر فگار اُنگلیاں نظر آئیں	⁝	دل کی سب ترجماں نظر آئیں
"گلِ تازہ" کا یہ کرشمہ ہے	⁝	سب کو رعنائیاں نظر آئیں
کھل گئے جب گلاب زخموں کے	⁝	کتنی شادابیاں نظر آئیں
سفر آساں نہیں ہے خوشبو کا	⁝	منزلیں امتحاں نظر آئیں
اب بھی باقی مہک ہے رشتوں کی	⁝	دل میں گہرائیاں نظر آئیں
کیا بتائیں "یہ کیسا رشتہ ہے"	⁝	ہم کو غمخواریاں نظر آئیں
اس طرح کچھ صنم تراشے ہیں	⁝	صورتیں جاوداں نظر آئیں
تھا شکن در شکن وہ آئینہ	⁝	منفرد ہستیاں نظر آئیں
قافلہ چل رہا ہے اردو کا	⁝	ظلمتیں ضوفشاں نظر آئیں
جن سے یہ سلسلہ ہے پھولوں کا	⁝	پھر وہ پرچھائیاں نظر آئیں
اب بھی جاری سفر ہے نیند کا	⁝	دیکھو تابانیاں نظر آئیں

تاجؔ فیضِ سخن سلامت ہے
فن کی سب خوبیاں نظر آئیں

فاطمہ تاج

"کیا کیا جائے"

(رسمِ اجرا تقریب کے موقع پر)

O

اک تسلسل ہے بس خیالوں کا ؎ زندگی نام ہے کتابوں کا
شب روشن گزر گئی لیکن ؎ ہے سفر جاری پھر بھی خوابوں کا
"خوشبوؤں کا سفر" بھی ہوتا ہے ؎ زخم ہیں راستہ گلابوں کا
اب بھی آنکھوں میں چھائی رہتی ہیں ؎ "کیسا رشتہ ہے" ان گھٹاؤں کا
ہے "تسکینِ در تسکین"، "گلِ تازہ" ؎ "قافلہ چل رہا ہے" یادوں کا
"وہی پرچھائیاں" تخیّل کی ؎ وہی موسم ہے ٹھنڈی چھاؤں کا
"رستے مہکے ہوئے" تو اب بھی ہیں ؎ دل مگر منتظر ہے وفاؤں کا
دل کا موسم عجیب موسم ہے ؎ سلسلہ ہے گلوں کا، خاروں کا
جانے کتنے صنم تراشے تھے ؎ زخم دیکھے تو کوئی ہاتھوں کا
چاند تارے ہیں آج محفل میں ؎ حسن تو دیکھئے نظاروں کا
نام نیّر ہے "کیا کیا جائے" ؎ ایک مرکز ہے بس اجالوں کا

تاج تم نے کبھی نہیں دیکھا
یہ جو منظر ہے چاند تاروں کا

صلاح الدین نیّر خطوط کے آئینہ میں

نیّر صاحب!

منظومہ مضمون پہنچا۔ آپ کی نوازش کا شکریہ۔ یہ مضمون چونکہ میری تعریف میں ہے اس لئے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے باب میں رائے کا اظہار کروں۔ بہرحال اس قدر ضرور کہوں گا کہ اس مضمون سے صاحبِ مضمون کے اُس خلوص کا اظہار ہوتا ہے جو انہیں مجھ بیچ مدان کے ساتھ ہے حالانکہ مجھے اپنے ناتمام و ناقص ہونے کا اعتراف ہے لیکن اسے کیا کروں کہ مجھ سے محبت کرنے والوں کو میرے نقائص کا احساس نہیں ہوتا ——

نیاز مند

ترقی اردو بورڈ۔ پاکستان

جوش ملیح آبادی

۲۷ مارچ ۱۹۷۱ء

عزیزِ محترم۔ تسلیم!

خط ملا تھا۔ میری رائے تو یہی ہے کہ مجموعہ (زخموں کے گلاب) بغیر کسی تعارف کے شائع کرائیے۔ آپ کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے وہ سب سے بڑا تعارف ہے اس کے علاوہ اب تعارف وغیرہ کچھ اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے یہی کہا تھا لیکن آپ خود غور کر لیجیے۔ اگر یہ اب بھی ناگزیر ہے تو مجھے لکھئے بھیج دیجئے۔

الہ آباد (پروفیسر) احتشام حسین

۳۱ر اکتوبر ۱۹۷۱ء صدر شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی

○

- بے حد مصروف رہا۔ شرمندہ ہوں۔ تعارف آپ کو ایک ہفتہ کے اندر مل جائے گا۔ امید کہ آپ اچھے ہونگے۔ احقر احتشام حسین

شعبۂ اردو الہ آباد ۳ر جنوری ۱۹۷۲ء

○

- شرمندہ ہوں کہ بہت دیر لگی۔ بہت سی مصروفیتیں نکل آئی ہیں۔ اور صحت بھی بہت اچھی نہیں ہے۔ مختصر سا پیش لفظ بھیج رہا ہوں۔

الہ آباد یونیورسٹی۔ ۷ر فروری ۱۹۷۲ء (پروفیسر) احتشام حسین

- خط ملا۔ اس سے پہلے کتاب (زخموں کے گلاب) بھی مل گئی۔ اخباروں میں اس کے اجرا کی خبریں بھی دیکھی تھیں۔ بے حد خوشی ہوئی۔ رسائل کو تبصرے کیلئے بھیجئے اور چند مخصوص حضرات کو جن کا مطالعہ کرنا مفید ہو سکتا ہے۔ امید ہے کہ آپ اچھے ہوں گے۔ (پروفیسر) احتشام حسین۔

۲۴ر مئی ۱۹۷۲ء الہ آباد یونیورسٹی۔

مکرمی نیّر صاحب۔ تسلیم!

ڈاکٹر مجاور حسین رضوی ۲۲ر اکتوبر کی دوپہر کو گنگا کاویری ایکسپریس اور گولکنڈہ سے یہاں آئیں گے۔ اُنھوں نے خط لکھا ہے کہ ۲۸ر اکتوبر کو وہ اُردو مجلس میں "دلّی والے سے انٹرویو" کے عنوان سے میرامن پر ایک تنقیدی انشائیہ پڑھیں گے۔ صحیح تعین ان کے آنے کے بعد ہوگا لیکن آپ پروگرام کو طے ہی سمجھئے۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

حیدرآباد یونیورسٹی

۱۸ر نومبر ۱۹۷۹ء

٥

برادر سخن گستر صاحب!

اللہ آپ کو زیادہ نازک خیال شاعر بنائے۔ رات ریڈیو پر آپ کی شاہکار غزل سُن کر بہت محظوظ بھی ہوا اور مستفید بھی۔ آپ پہلے نیّر تو تھے ہی اب شاعر اللہ نیّر درخشاں بنتے جا رہے ہیں، اللہ کرے حسنِ سخن اور زیادہ۔

خیر طلب

رشید

(ڈاکٹر غلام دستگیر رشید)

عثمانیہ یونیورسٹی

۷ر فروری ۱۹۸۰ء

جناب صلاح الدین نیرؔ!

آپ کی کتاب "رشتوں کی مہک" کے بارے میں پڑھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ مختلف دانشوروں کے تبصرے پڑھ کر بھی مسرت ہوئی۔

میں آپ کے اس بہترین کام کو نہ صرف پسند کرتا ہوں بلکہ آپ کو مبارکباد بھی دیتا ہوں ـــــ مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ آپ ادب کے ساتھ شعراء ملک کی سلامتی، حب الوطنی، رواداری اور قومی یکجہتی کے جذبے کو اپنی تخلیقات کے ذریعہ فروغ دے رہے ہیں۔

حیدر آباد | نیک تمناؤں کے ساتھ

۳۰ جنوری سنہ ۱۹۸۷ء | (بیرسٹر) اکبر علی خاں

سابق گورنر اترپردیش

برادرم (صلاح الدین نیرؔ)

اتوار کو ٹھیک ڈیڑھ بجے ہمارے دفتر سے شعراء کی پارٹی کریم نگر روانہ ہو رہی ہے۔ براہ کرم آپ فیض الحسن خیالؔ، شارب اور خیرات ندیم دفتر پہ تشریف لائیے۔ شاہد صاحب (شاہد صدیقی) آپ کے منتظر رہیں گے۔

"سیاست" | جگر

سنہ ۱۹۶۵ء | (محبوب حسین جگرؔ)

جناب صلاح الدین نیّرؔ!

آپ کی کتاب "رشتوں کی مہک" کے بارے میں پڑھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ مختلف دانشوروں کے تبصرے پڑھ کر بھی مسرت ہوئی۔

میں آپ کے اس بہترین کام کو نہ صرف پسند کرتا ہوں بلکہ آپ کو مبارکباد بھی دیتا ہوں ـــــ مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھی شعراء ملک کی سلامتی، حب الوطنی، رواداری اور قومی یکجہتی کے جذبے کو اپنی تخلیقات کے ذریعہ فروغ دے رہے ہیں۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

(بیرسٹر) اکبر علی خان

سابقہ گورنر اُترپردیش

حیدرآباد

۳۰ جنوری ۱۹۸۷ء

برادرم (صلاح الدین نیّرؔ)

اتوار کو ٹھیک ڈیڑھ بجے ہمارے دفتر سے شعراء کی پارٹی کریم نگر روانہ ہو رہی ہے۔ براہ کرم آپ فیض الحسن خیالؔ، شاربؔ اور خیرات ندیم دفتر پہ تشریف لائیے۔ شاہد صاحب (شاہد صدیقی) آپ کے منتظر رہیں گے۔

جگرؔ

(محبوب حسین جگرؔ)

"سیاست"

۱۹۶۵ء

کے سلسلے میں کر رہی ہیں اس لئے جو اربابِ سخن رضا کارانہ طور پر اس
محفلِ شعر میں شرکت فرمانے آمادہ ہوں انہیں کو زحمت دیجئے۔ البتہ
البتہ گیٹ پاس کی ذمہ داری میری ہے۔ اگر آپ مجھے مطلع فرما سکیں کہ
کتنے گیٹ پاس چاہیں اور شاعروں کے نام کی فہرست بھی دے سکیں
تو باعثِ کرم ہوگا۔ بالفعل میرے ذہن میں یہ نام ہیں۔ فیض الحسن خیالؔ
رئیسؔ اختر، ادھر کے بعض شاعروں کو جن میں علامہ حیرتؔ، سلیمان
اریبؔ، سرور ڈنڈا وغیرہ شامل ہیں، میں علیحدہ اطلاع دے رہا ہوں۔
میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے طور پر چند منتخب شاعروں کو میری جانب
سے مدعو کر دیجئے۔ نوجوان شاعروں کو میں خاص طور پر دعوت دینا
چاہتا ہوں لیکن پروگرام زیادہ طویل نہیں ہے۔ اسلئے فہرست بھی مختصر
ہی رہے تو اچھا ہے۔ میں آپ سے خود ملنے کی بھی کوشش کروں گا۔
آج کی رات یا کل۔ مدینہ ہوٹل میں، مغرب کے بعد ــــــ

ونیتا مہا ودیالیہ کالج۔ نمائش گراونڈ　　　　نیاز مند

۵ر فبروری ۱۹۶۳ء　　　　اختر حسن

مکرمی نیرؔ صاحب!

کچھ عرصہ پہلے حیدرآباد کا مشاعرہ دور درشن پر دکھایا گیا
تھا اور آپ کے کلام سے ہم سب لطف اندوز ہوئے تھے۔ فوراً
اس کے بعد ڈاک میں "خوشبو کا سفر" پا کر دلی مسرت ہوئی۔ میں

بہت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے یاد رکھا اور اس نادر تحفہ سے نوازا۔ حیدرآباد میں ہمیشہ متمنی رہتا تھا کلامِ نیّر سننے کے لئے۔ مجموعۂ کلام پاکر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تکمیلِ تمنّا ہوئی ۔۔ نیازمند

منظور عالم
وائس چانسلر جموں و کشمیر یونیورسٹی

سرینگر
۲۷ راگست ۱۹۸۴ء

عزیزم نیّر صاحب! السّلام علیکم!

"رشتوں کی مہک" کا شکریہ۔ اس سے پہلے بھی آپ نے اپنے ایک مجموعۂ کلام کا تحفہ دیا تھا جس کے بہت سے اشعار مجھے بہت پسند آئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نئے مجموعہ میں بھی مجھے بہت سے اشعار اور پسند آئیں گے۔ یہاں کی مصروفیت کی وجہ اس میں کچھ وقت لگے گا۔

مجھے یقین ہے کہ "سیاست" (اخبارِ سیاست) سے آپ کا قریبی تعلق اب بھی باقی ہے۔ بھائی عابد اور بھائی جگر کو میری طرف سے سلام۔

مخلص

سیّد ہاشم علی اختر
(وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
۷ رمارچ ۱۹۸۷ء

• آپ کا مجموعۂ کلام "سفر جاری ہے" ملا جس کے لئے میں آپ کا

شکر گزار ہوں۔ کچھ دن پہلے آپ نے ایک بہت ہی خوبصورت خط لکھا ہے، جس کا جواب میں، اردو میں دینا چاہتا تھا جس کو اپنے قلم سے لکھ سکوں۔ میں نے علیحدہ رکھا تھا لیکن اتنا وقت نہیں ملا کہ میں آپ کو جوابی خط اسٹینو کو ڈکٹیٹ کرا رہا ہوں۔ آپ کی کتاب کو میں نے علیحدہ رکھ چھوڑا ہے۔ میں جب بھی وقت ملے گا پڑھوں گا اپنے سہولت کے ٹائم میں تاکہ میں لطف اندوز ہوتے ہوئے آپ کی شاعری پڑھوں۔ اسلئے کہ کسی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے لیئے وقت نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ میں اکتوبر سنہ ۱۹۸۹ء میں حیدرآباد آرہا ہوں وہاں اطمینان سے گفتگو رہے گی۔

سید ہاشم علی
(وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

علیگڑھ
۱۴/۲/۱۹۸۹ء

پیارے نیّر!

یہ لو پھر وعدہ خلافی کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ لگتا ہے یہ کچھ عادتِ ثانی سی ہوتی جا رہی ہے۔ ۲۳ کی صبح بیلّم پلّی جا رہا ہوں وہاں سے ۲۴ کو رام گنڈم ۲۱، ۲۵ کو کوتا گوڑم جا کر ۲۶ کو حیدرآباد آوٴں گا۔

اردو مجلس کے اجلاس کی صدارت سونپی تھی۔ گناہ کا کفارہ ہی ادا کرنا ہو تو کوئی اور صورت نکالی جا سکتی ہے۔ تمہارا اپنا۔ (ڈاکٹر) راج بہادر گوڑ

سوراج نگر
۲۲ اگسٹ سنہ ۷۹ء

• آپ کا پوسٹ کارڈ ملا۔ ایک سطر لکھا تھا لیکن دو دھاری سطر تھی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ادھر بے حد مصروف رہا ہوں۔ بہت دورے کرنے پڑے ہیں۔ ٹریڈ یونین کی سرگرمیاں رہی ہیں پھر کتابیں تبصرے کے لئے تین چار میرے پاس ہیں۔ جس نے پہلے کتاب دی اس پر تبصرہ پہلے ہو۔ اب تک دو تبصرے کر چکا ہوں (حیات کے لئے) اس کے بعد رحمت امروہی کے مجموعہ کا نمبر ہے۔ پھر "خوشبو کا سفر" اور اس کے بعد غالب کے خطوط ——— آجکل پیرولڈ کال اور کیو کا زمانہ ہے۔ اُمید کہ آپ ناراض نہ ہوں گے۔

آپ کا اپنا

راج بہادر گوڑ

اجے بھون۔ کوٹلہ مارگ۔ نئی دہلی

۸ر جولائی ۱۹۸۴ء

محبِّ مکرم۔ تسلیم!

آپ کو یاد ہو گا کہ گزشتہ سال ایم۔ فل کی ایک طالبہ کو اُن کے تحقیقی مقالہ کے لئے عظمت عبدالقیوم کی حیات اور شاعری کا موضوع دیا گیا تھا۔ بعد کو انہیں اسٹیٹ آرکائیوز میں ملازمت مِل گئی اور ان کا داخلہ کالعدم قرار پایا۔

اِس سال قمر النساء نامی ایک طالبہ کو یہی موضوع دیا ہے اُنھوں نے ایم۔ اے میں سب سے زیادہ نشانات حاصل کئے ہیں۔

داخلہ کے لئے انٹرویو غالباً ۲۰ر جنوری کو ہوگا۔ اس سے قبل
ضروری ہے کہ قمر النساء ایک بار عظمت عبدالقیوم صاحبہ سے
مل لیں۔ اور ان کی حیات اور شاعری کے بارے میں دو ایک صفحات
کا مواد اُن سے حاصل کرلیں۔ براہِ کرم اِن دونوں کی ملاقات
کا انتظام فرمادیجیے ممنون ہوں گا۔

خاکسار
صدر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ
(پروفیسر) غلام عمر خاں
۱۱ر جنوری ۱۹۸۲ء

ڈیر نیّر صاحب!
یاد فرمائی کے لئے تشکر گزار ہوں۔ ''رشتوں کی مہک'' کی ایک
کاپی ملی۔ اس کے لئے ممنون ہوں۔ آپ کی شاعری عوام کے دھڑکنوں
کی ترجمان ہے۔ حُب الوطنی کے جذبے سے ہٹ کر عالمی سلامتی کا
پیغام بھی ہے۔
''صنم تراش'' کے لئے بھی ممنون ہوں۔ آپ ایک مشہور اور
بھرپور شاعر ہیں۔ مجھے آپ کی دوستی پر فخر ہے۔
میں گذشتہ ۳ سال سے گورنمنٹ کے کسی بھی کوئی سمیلن میں
مدعو نہیں کیا جارہا ہوں۔ موجودہ چیف منسٹر این۔ ٹی۔ راما راؤ
کا یہ خیال ہے کہ میں اِن کے خلاف ہوں۔ (حالانکہ ایسا نہیں ہے)
میں نہ تو کسی کا مخالف ہوں نہ ہی میرے پاس کسی قسم کی POLITICS

ہے۔ میں کسی بھی پولیٹیکل پارٹی سے تعلق نہیں رکھتا۔ تلگو کے نام
پر عوام کا استحصال کیا جارہا ہے اور غلط رہبری کی جارہی ہے۔
اس کے ذمہ دار کون ہیں ــــ؟ میں گزشتہ ۳ سال سے بلاک
لسٹ میں ہوں۔

حیدر گوڑہ۔ (حیدرآباد) ڈاکٹر داسرتھی
۱۳ مارچ ۱۹۸۷ء

نیّر صاحب!

۳۶، ۳۷ شعر جو بھی پہلی نظر میں پسند آئے بھجوا رہا ہوں
آپ ان میں سے حسبِ ضرورت اچھے شعروں کا انتخاب کر لیجیے۔
تصویر اور حالات بھی بھجوا رہا ہوں۔ یہ دونوں چیزیں واپس
کر دیجیے۔ حالات میں جو ضروری حصّے ہوں وہ الگ سے نکال
لیجیے اور جو حالات چھپ چکے ہیں اور آپ کے پاس ہیں اُن سے جوڑ لیجیے۔

بیچلر کوارٹر آپ کا مخلص
معظم جاہی مارکٹ اریب
۱۵ اکتوبر ۱۹۶۶ء (سلیمان اریب)

● آپ کی غزلیں ملیں۔ "صبا" کے دروازے سب کے لئے کھلے ہیں۔
صبا میں چھپنے کے لئے نہ نئے شہر اور نہ پرانے شہر کی قید ہے۔

نہ حیدر آباد اور شمالی ہند کی اور نہ ترقی پسند و غیر ترقی پسند کی۔
قید صرف یہ ہے کہ چیز اچھی ہو اور پسند آئے۔ آپ کی غزلوں میں
سے کوئی ایک غزل اگسٹ، ستمبر کے پرچے میں جائے گی۔ جواب
میں تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ سلیمان اریب
بیچلر کوارٹر۔ معظم جاہی مارکٹ مدیر "صبا"
۲۷ اگسٹ سنہ ۱۹۶۲ء

عزیزم نیّر!
میں تو آپ کی کتاب ملنے سے پہلے ہی آپ کی شاعرانہ خوبصورتیوں
کا قائل تھا، کیونکہ میں بھی کبھی شاعر تھا اور شاعر اشاعر خوب می شناسد
چنانچہ دہلی سے حال میں سنہ ۱۹۶۶ء کے منتخب شعری ادب کے نام سے
جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس میں آپ کی ایک نظم شائع کی گئی ہے۔
حیدر آباد میں آپ حضرات کے خلوص کی خوشبو ابھی تک سانسوں
سے پھوٹ رہی ہے۔ فکر تونسوی
دہلی ۔ ۸ ڈسمبر سنہ ۶۲ء

محب مکرم! تسلیم۔
آپ کے کئی شفقت نامے میرے نام آئے اور دلی فرحت کا باعث
ہوئے افسوس کہ اپنے بہت سے دوسرے دوستوں کی طرح میں آپ سے بھی کوتاہ
قلمی کی بنا پر نہایت شرمسار ہوں۔ آپکا مخلص اور نیازمند
ترقی اردو بورڈ۔ کراچی ۔ ۱۸ اگسٹ سنہ ۶۲ء شان الحق حقی

محبّی۔ خوش رہو!

مجموعۂ کلام "رشتوں کی مہک" ملا۔ بڑا پیارا نام ہے آپکے خلوص جیسا پیارا۔ ایک ہی نشست میں پڑھ گیا۔ ویسا ہی لطف ملا جیسا آپ کے چند دوسرے مجموعہ ہائے کلام کو پڑھ کر ملتا رہا تھا۔

پٹنہ۔ ۲۴ر فبروری ۸۷ء رضا نقوی واہی

مکرمی نیّر صاحب! آداب ونیاز

عارف میاں (شمس الدین عارف) کے لئے میں نے جو کچھ کیا وہ میرا فرض تھا۔ عارف میاں کی تعریفوں پر نہ جائیے وہ کچھ زیادہ ہی نیک ہیں۔

میں ۷ر مارچ کو آرہا ہوں۔ میرا قیام مغنی (مغنی تبسّم) کے یہاں ہوگا کہ میرے ان کا معاملہ بہت پرانا ہے۔ نجمہ (بیگم شہریار) آپ کو سلام کہتی ہیں۔ عارف میاں کے قیام (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہاسٹل) میں آسانی فراہم کرنے کا اصل سہرا میرے شاگرد انور احمد خاں کے سر جاتا ہے۔ شکریے کا اگر کوئی مستحق ہے تو وہ ہے۔

نیازمند

شہریار

(علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

علی گڑھ

۲۱ر جنوری ۱۹۸۱ء

میں قطر (دوحہ قطر) سے لوٹنے کے فوراً بعد خط لکھنا چاہتا تھا لیکن بمبئی آجانے اور بیوی کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے نہیں لکھ سکا۔

عارف (شمس الدین عارف) قطر میں خود مجھ کو تلاش کرتے ہوئے آگئے اور مستقل میرے ساتھ رہے۔ میرا ایک پیسہ بھی خرچ ہونے نہیں دیا۔ میری بیوی بچوں اور میرے لئے نہ جانے کتنی قیمتی تحفے خرید لائے۔ آپ کے بیٹے کی سعادت مندی دیکھ کر مجھے آپ پر رشک آیا۔ میں ان کی اس محبت کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ آپ ان کا پتہ مجھے ضرور بھیج دیں تاکہ اُن کو خط لکھ سکوں۔ ان دنوں بمبئی میں ہوں، وسط اپریل تک واپس علی گڈھ پہنچ جاؤں گا۔

بمبئی۔ ۲۳ر مارچ ۸۷ء شہریار

محبی نیر صاحب! سلام و رحمۃ۔

آپ کا تازہ مجموعہ 'خوشبو کا سفر' کل ہی ڈاک سے ملا۔ اس ادبی سوغات کے لئے تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ جس خلوص کیساتھ شعر و ادب کی خدمت ایک طویل زمانے سے کر رہے ہیں اسے دیکھ کر خوشی ہوتی ہے اور دعائیں نکلتی ہیں۔

آپ کی شاعری اب اس منزل پر آگئی ہے جہاں کسی تعریف یا تعارف کی احتیاج باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ (پروفیسر) نثار احمد فاروقی

جامعہ نگر۔ دہلی ۱۲ر جون ۱۹۸۹ء

عزیزم نیّر سلّمہٗ،

دعائیں۔ ترقی درجات!

آپ کا مجموعۂ کلام میرے ساتھ بس میں شریکِ سفر رہا۔ آپ کی کتاب "سفر جاری ہے" طاقت اور توانائی عطا کرتی رہی۔ خدا تمہیں نظرِ بد سے بچائے۔

اس خط کے لکھنے کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ عزیزم آپ کی شعری خدمات اور دیگر تہذیبی خدمات کا بہ صورت مقالہ کیوں نہ احاطہ کیا جائے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ آپ پر کسی طالبِ علم نے یا آپ کے کسی دوست نے کام کیا ہے۔ آپ اس بارے میں مجھے لکھیں میں نے اس ماہ ریسرچ کے لئے چند طلباء اور طالبات کو داخلہ دیا ہے۔ میری یہ تجویز ہے کہ کوئی ہونہار طالبِ علم آپ کی شعری خدمات کا تفصیل سے جائزہ لے۔ مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔۔۔ اس معاملہ میں آپ کے بھرپور تعاون کی ضرورت ہوگی۔ نیز میرا یہ بھی خیال ہے کہ اس کام کے نگراں میرے رفیقِ کار عزیزم ڈاکٹر راہی قریشی صاحب ہوں۔ وہ خود شاعر ہیں اور آپ سے خوب واقف بھی ہیں۔

(ڈاکٹر) رزاق فاروقی

صدر شعبۂ اردو گلبرگہ یونیورسٹی

گلبرگہ یونیورسٹی

۲۴ر جنوری سنہ ۱۹۸۹ء

عزیزم نیّر!

آپ کو خط لکھتا ہوں تو محترم بھائی ابوظفر عبدالواحد
یاد آتے جب وہ آپ کو اپنا شاگرد کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔

شعبۂ اردو گلبرگہ (ڈاکٹر) رزاق فاروقی

۳۰/۸/۱۹۸۳ء

• میں ابھی ابھی کلکتہ اور پٹنہ کے سفر سے واپس ہوا۔ برادرم راہی قریشی نے آپ کا تحفہ "رشتوں کی مہک" عنایت کیا۔ تھکن دور ہوئی۔ دعاگو ہیں۔

• اُستاذی پروفیسر ابوظفر صاحب نے خوب کھُل کر رائے دی تھی۔
آپ نے اِن کی تحریر کو شائع کر کے اچھا کیا۔

عابد بھائی (عابد علی خاں صاحب 'سیاست') نے تو صاف دلی سے
آپ کی خدمات کے بارے میں سب کچھ لکھ دیا جو اُن کا وطیرہ ہے۔

شعبۂ اُردو گلبرگہ یونیورسٹی (ڈاکٹر) رزاق فاروقی

۳/فروری سنہ ۱۹۸۷ء

برادرم صلاح الدین نیّر!

'جدید شاعری' کے ابتدائی دور میں نظموں کے مجموعے کافی تعداد میں شائع ہوئے ہیں۔ اب ادھر ایک دو سال ہوئے غزلوں کے چند عمدہ مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ 'زخموں کے گلاب' کو میں اس طرح کا ایک عمدہ مجموعہ تصوّر کرتا ہوں۔

سندر گڑھ (پروفیسر) کرامت علی کرامت

۱۲/اپریل سنہ ۱۹۷۳ء

آپ سے جو بھی ملاقات رہی، مختصر رہی۔ تفصیلی گفتگو کا موقع کہاں ملا۔ اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ آپ سے ملاقات ہوئی۔ اور آپ نے فون پر بہت سارے احباب کو خبر دی ورنہ شاید میں حیدرآباد میں کسی ادیب سے مل نہیں پاتا۔

برہم پور (اڑیسہ) (پروفیسر) کرامت علی کرامت
۱۷ اکتوبر سنہ ۱۹۹۰ء

نیّر صاحب مبارک!

کل رات ٹی۔ وی۔ پر مشاعرہ میں آپ کو سُنا اور آپ کے سراپا کی جھلکیاں گویا اصل روپ میں دیکھیں۔ ایک میں ہی نہیں میرے گھر دو بیٹیں جتنے بھی لوگ تھے سبھوں سے زیادہ آپ کو پسند کیا ہے۔ آپ کے نام کے اعلان کے ساتھ چند تعارفی اور تعریفی جملے میرے مُنہ سے بھی نکل گئے تھے۔ مناظر عاشق ہرگانوی کا تبصرہ مجھے موصول ہو چکا ہے جو دوسرے شمارے میں شامل رہے گا۔ دو نظمیں بھی دے رہا ہوں۔ پسند کی آگئی تھیں اسلئے شامل کریں۔ دونوں غزلوں کی کتابت تو ہو ہی چکی ہے۔ اس طرح آپ اب کے شمارے میں چھائے ہوئے رہیں گے۔

۵ر جولائی سنہ ۱۹۸۴ء عتیق احمد عتیق
بہار

برادرِ مکرّم۔ تسلیم!

نوازش نامہ ملا۔ آپ کے گرانقدر خیالات معلوم کرکے بے حد خوشی ہوئی، میں نے دشمن بنا لئے ہیں کھری کھری سُنا کر۔ یہ جان لیوا عادت مجھے شاد عارفی سے ملی ہے ورثہ میں۔ زمانہ آجکل ایسے لوگوں کا ہے جو سازشی ذہن رکھتے ہیں۔ جھوٹ اور سچ کے امتیاز سے قطع نظر کرتے ہوئے محض ان کی تعریف کرسکیں جو اُن کو سراہتے ہیں۔ چنانچہ یقین کیجئے کہ ایسے لوگ جو آج سے دس پانچ سال قبل محض ہم لوگوں کے اشعار کی تعریف کرکے خطوط کے کالم میں چھپ لیا کرتے تھے، آج آستین چڑھا کر لڑنے پر آمادہ ہیں۔ جبکہ نہ وہ ادبی عمر کے لحاظ سے بالغ ہیں نہ ایسی تخلیق کے خالق ہیں جن پر فخر کیا جاسکے اپنے قلم کے خلوص پر مجھے اعتماد ہے۔ جب یہ گرد چھٹے گی لوگ اصل اور نقل میں خود تمیز کرسکیں گے۔ دراصل زمانہ سب سے بڑا نقاد ہے۔

• جی ہاں! حیدرآبادی احباب میں (بہ استثناء احمد بخش طا) تقریباً سبھی ضرورت سے زیادہ محتاط ہیں۔ آپ وہیں ہیں اسلئے صورتحال کو بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ اورنگ آباد آپ سے قریب ہے وہاں البتہ زیادہ گرما گرمی ہے۔ اور یہ بڑی کمال کی بات ہے دیکھئے نیّر صاحب! آج روایت پرست حقیقی جدت پسندوں کو روایت پرست کہتے ہیں۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ؟

نیازمند

(ڈاکٹر) مظفر حنفی

سیہور (بھوپال)

۳ر مارچ ۱۹۶۷ء

انجمن روح ادب الہ آباد اپنے جشنِ زرین کے موقع پر گزشتہ نصف صدی کی غزل کا ایک بہترین اور نمائندہ انتخاب شائع کرے گی اور مجھے اس کی ترتیب و تدوین کا فریضہ انجام دینا ہے میری کوشش یہ ہے کہ اس مجلہ کو غزل کے سلسلے کی ایک ایسی ضخیم، جامع اور معیاری دستاویز کی صورت میں پیش کیا جائے جو آئندہ غزل پر کام کرنے والوں کے لئے ایک حوالے کی کتاب کا کام دے۔

ظاہر ہے کہ یہ کام اس عہد کے ممتاز اور قابلِ ذکر غزل گو حضرات کی معاونت کے بغیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا اور یہ بھی ہے کہ اس مجلّے کو اواخر ستمبر ۱۹۹۲ء تک منظر عام پر آجانا چاہیئے۔ از راہِ کرم اپنی چھ بہترین غزلیں اس انتخاب کے لئے جلد ارسال فرمائیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ اپنی ایسی غزلیں مرحمت فرمائیں جو قبل از ایں کسی بھی غزل نمبر یا کسی دوسرے انتخاب میں شریکِ اشاعت نہ ہوں ـــ

معاونت کا شکریہ ـــ السلام۔ آپ کا

کلکتہ ـــ ۱۰ ر جولائی ۱۹۹۲ء (ڈاکٹر) مظفر حنفی

مکرمی ۔ آداب!

یکم مارچ کو اردو سروس کا مشاعرہ ہے ۔ آپ اور راشد (راشد آذر) اس میں مدعو کئے جارہے ہیں۔ "ذہنِ جدید" کے بارے میں رائے سے نوازیں۔

دہلی ۔ ۱۲ر فیبروری سنہ ۱۹۹۲ء   زبیر رضوی

برادرم ـــ سلام مسنون!

یہ امر میرے لئے باعثِ سعادت و مسرت رہا کہ ایک مدت کے بعد آپ سے ملاقات ہوئی وہ بھی مختصر عرصے کے لئے۔ کاش کہ آپ سے تفصیلی گفتگو ہوتی تا کہ برسوں کی تشنگی مٹ جاتی ـــ

مدراس ۔ ۲۲ر فیبروری سنہ ۱۹۹۴ء   عزیز تمنائی

برادرِ محترم!

آپ کی نوازشوں نے غلام کرلیا ۔ تینوں کتابیں تحفتاً ملیں۔ پنجاب سے ایک ڈائری چھپتی ہے اس کی اشاعت دو لاکھ ہے آپ یقین کریں ۔ اس کے لئے میں آپ کی کتاب "سفر جاری ہے" سے (۴۰) آسان ترین دل میں اُتر جانے والے شعر ان کو بھیجے ہیں۔

بھوپال ۔ ۲۰ر ستمبر سنہ ۱۹۹۲ء   بشیر بدر

محبی نیّر صاحب! سلام خلوص

آپ کا ارسال کردہ گرانقدر تحفہ "خوشبو کا سفر" موصول ہوا۔ یاد آوری کے لئے بہت بہت شکر گزار ہوں۔

آپ کا کلام عرصہ سے رسائل میں پڑھتا آرہا ہوں۔ آپ کے علوئے خیال اور حُسنِ بیان کا قائل ہوں۔ اب کلام کو یکجا دیکھنے کا موقع ملا تو مزید مسرّت حاصل ہوئی۔ آپ کو ٹی۔ وی۔ کے مشاعرے میں دیکھا تو آنکھوں کے نور میں بھی اضافہ ہوا۔

سچ جانیئے آپ کی غزلوں کے بہت سے اشعار نے دامنِ دل کھینچ لیا ہے۔ اور اکثر رشک آیا کہ کاش اس طرح کے اشعار میں بھی کہتا۔

مظہر امام
ڈائرکٹر دوردرشن

دوردرشن، سرینگر
۱۰ر جولائی سنہ ۱۹۸۴ء

برادرم نیّر!

ابھی ابھی آپ کا خط ملا۔ مبارکباد کا شکریہ۔ یہ سب آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے (کیوڑے کا بن کی اشاعت)۔ خدا آپ کو ہمیشہ شاد و خرّام رکھے۔ سیکشن آفیسر کی حیثیت سے آپ کی ترقی پر دلی خوشی ہوئی۔ مبارکباد قبول فرمائیے۔ آپ نے کچھ انتظامات میں مدد لینی ہے۔ ۲۶ر اپریل کو آپ میرے ساتھ نمائش کلب میں ۸ر بجے شب کھانا کھائیے۔ میں ۹ر کو آرہا ہوں۔ کم سواد سلیمان خطیب

پانی محل، گلبرگہ ۔ ۷ر اپریل سنہ ۱۹۷۶ء

ڈیر نیّر صاحب !

یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ حکومتِ آندھرا پردیش نے آپ کو ۳ سال کے لیے رکنِ آندھرا پردیش اُردو اکیڈیمی مقرر کیا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ آپ اپنی اس ذمہ داری کو نہایت عمدگی سے نبھاتے ہوئے، زبان و ادب کی خدمت کریں گے۔

دہلی
۲۱ر ڈسمبر سنہ ۱۹۹۲ء

ابوالفیض سحر
پرسنل سیلکشن افسر ترقی اُردو بورڈ
دہلی

پچھلے دنوں اخباروں میں شائع ہوئی خبروں سے یہ پتہ چلا کہ آپ اور رئیس اختر، سہارن پور میں منعقد ہونے والے کسی مشاعرے میں شریک ہو رہے ہیں۔ وہ تاریخ آئی بھی اور گئی بھی مگر میری توقعات کے خلاف آپ لوگوں سے نہ آتے وقت ملاقات ہو سکی اور نہ جاتے ہوئے۔ آنے سے قبل آتے یا جانے کے پروگرام کے بارے میں لکھتے تو میں خود آکر ملتا، پتہ نہیں آپ لوگوں نے کیوں AVOID کیا۔

اخباروں میں آپ لوگوں کی مصروفیات کے بارے میں پڑھتا رہتا ہوں۔ آپ لوگوں نے نئے ادب کی نئی تاریخ مرتب کی ہے۔ خدا کرے کہ یہ سلسلہ روشن چراغوں کے سلسلے کی طرح جاری رہے۔

مخلص
ابوالفیض سحر

سروجنی نگر۔ نئی دہلی۔
۲۰ر مئی سنہ ۱۹۹۵ء

مکرمی نیر صاحب!

آداب۔ آپ کا پُرخلوص عنایت نامہ ملا۔ شکریہ۔ پچھلے دنوں میرا حیدرآباد آنا، دو بار ہوا۔ ایک بار تو آپ سے جگر صاحب کے کمرے میں ملاقات رہی، آپ کچھ مصروف تھے۔ اس لئے زیادہ گفتگو نہ ہو سکی۔ آپ لوگوں کی ادبی مصروفیات کا علم اخباروں کے ذریعہ ہوتا رہتا ہے۔ خوش ہوتا رہتا ہوں۔

مخلص
ابوالفیض سحر
دہلی
۱۰؍اگست ۱۹۹۵ء

○

انشاء اللہ ۱۳؍مئی کو دہلی سے چلکر ۱۴؍مئی کی رات کو حیدرآباد پہنچوں گا آپ سے ۱۵؍کی شام کو سیاست کے دفتر پر ملاقات ہو سکتی ہے۔ رئیس اختر صاحب سے بھی ملاقات ہوگی اور تفصیلی گفتگو بھی۔

بہرحال آپ لوگوں کی سرگرمیوں کے بارے میں اخبارات سے پتہ چلتا رہتا ہے۔ بڑی اہم خدمات ہیں جو ایک طرف تاریخ بنا رہی ہیں تو دوسری طرف علمی و ادبی تخلیقی سفر ادارہ کا حق ادا کر رہی ہیں ساتھ ہی ہماری تہذیبی روایات کی تحسین شناسی کا کام بھی بہ حسن و خوبی انجام پا رہا ہے۔ آج کے حالات میں کیا یہ کوئی کم کارنامہ ہے۔ بہرحال ہمیشہ کی طرح دلی مبارکباد۔ انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔

خدا حافظ۔ مخلص ابوالفیض سحر ۲؍مئی ۹۵ء

ڈیر صلاح الدین نیر !

"سفر جاری ہے" کی اشاعت کے لئے میری دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ایسے خوشگوار موقع پر مجھے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا ہے۔ میں انتہائی معذرت چاہتا ہوں کہ میں شریک نہ ہو سکوں گا اسلئے کہ میں سرکاری دورے پر ترویتی جا رہا ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ کا یہ سفر اسی طرح جاری رہے گا۔

انیس الحق

دوردرشن کیندر حیدرآباد — ڈائرکٹر دوردرشن۔ حیدرآباد

۳۱ر مارچ سنہ ۱۹۸۹ء

حیدرآباد کی یاد جب آتی ہے تو اس میں آپ کی یاد شامل نہ ہو ناممکن ہے قیام حیدرآباد کے دوران آپ نے جس خلوص و محبت سے مجھے گلے لگایا وہ انمٹ ہے۔ دعاؤں میں یاد رکھیئے۔

آپ کا

انیس الحق

ڈائرکٹر دوردرشن۔ بنگلور

بنگلور

۲۵ر اگست سنہ ۱۹۸۹ء

برادر عزیز القدر! السّلام علیکم!

آج کے اخبار سے یہ مسرت انگیز اطلاع بھی ملی کہ محترمہ گورنر صاحبہ (کمودبین جوشی) "رشتوں کی مہک" کی رسم اجراء انجام دیں گی۔ حیدرآباد کی جن بلند ادبی روایات کی پاسداری آپ کے لئے جزو ایمان ہے۔ وہ یقیناً مستقبل بعید میں بھی روشن و تابناک رہیں گی۔ شعر و سخن سے آپ کی والہانہ وابستگی بہرآئینہ فال نیک ہونے کے ساتھ لائق تقلید بھی ہے۔

(ڈاکٹر) راہی قریشی

شعبۂ اردو گلبرگہ یونیورسٹی

گلبرگہ

۲۸/جنوری سنہ ۱۹۸۷ء

● نامۂ نوازش کے تحت کل فارسی منقبت موصول ہوئی۔ آپ کی اس منقبت نے بے حد متاثر کیا۔ میں آپ کی فارسی دانی سے آگاہ نہیں تھا۔ بارگاہ فاطمۃ الزہرا میں آپ نے جو گہر ہائے عقیدت بکھیرے ہیں انہیں رحمت سلطانہ (طالبہ جامعہ گلبرگہ) سمیٹ لیں گی۔ اس طرح یہ گرانقدر منقبت انشاء اللہ شریک مقالہ رہے گی۔ میں اس تعاون کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے روابط تین دہوں کے عبور و مرور کے باوصف الحمدللہ تاحال تابندہ و فروزاں ہیں۔

شعبۂ اردو گلبرگہ

(ڈاکٹر) راہی قریشی یکم اپریل سنہ ۱۹۹۳ء

ڈیر صلاح الدین نیّر

السّلام علیک!

جب میں نے جناب عابد علی خاں کے سانحۂ ارتحال کی تکلیف دہ خبر سُنی تو مجھے بے حد صدمہ ہوا۔ آپ نے گزشتہ ۳۰ برسوں سے جناب عابد علی خاں سے والہانہ وابستگی کے ساتھ اپنے رشتہ کو برقرار رکھا ہے۔ حیدرآباد کے لوگوں سے جسقدر مرحوم کو محبت تھی۔ اسی طرح حیدرآباد کے لوگ بھی اُنہیں چاہتے تھے۔ شعر و سخن سے محبت کرنے والی شخصیت کس اہتمام سے ہر سال ادبی ٹرسٹ کا مشاعرہ منعقد کیا کرتی تھی۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرے سارے ملک کے مشاعروں میں سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہوا کرتے ہیں۔ مرحوم نے سیاست اخبار کے ذریعہ بے پناہ اُردو کی خدمات انجام دیں۔ کسی کا بھی ڈرائینگ روم 'سیاست' کے بغیر بے معنی لگتا ہے۔ آپ نے اپنے ایک سرپرست کو کھو دیا ہے۔ مجھے اِس بات کا بھی احساس ہے کہ عابد علی خاں صاحب کے انتقال سے آپ پر کیا گزری ہوگی — خدا مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

کبیر احمد

۱۲ر نومبر ۱۹۹۲ء (ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو)

• یہ طئے کیا گیا ہے کہ ریڈیو کشمیر (سری نگر) سے آپ کا انٹرویو نشر کیا جائے جو ۱۵ منٹ کا ہوگا۔ یہ انٹرویو آپ کی شاعرانہ اہمیت، شخصیت اور خدمات کے سلسلے میں ہوگا۔ میں شکر گزار رہوں گا اگر آپ کوئی موزوں ادیب و نقاد کا نام تجویز فرمائیں۔ یہ انٹرویو آل انڈیا ریڈیو حیدر آباد کے اسٹیڈیو میں ماہ جنوری ۱۹۹۵ء کے دوسرے ہفتہ میں ریکارڈ کیا جائے گا۔

کبیر احمد
(ڈائرکٹر ریڈیو کشمیر)

۱۸ر ڈسمبر ۱۹۹۴ء

• میں شکر گزار ہوں کہ مجھے آپ کا تعاون حاصل ہے آپ واقعتاً نہایت نفیس، بہترین طبیعت کے انسان ہیں۔ مجھ سے جو آپ کا تعلقِ خاطر ہے میں اس کے لئے بھی شکر گزار ہوں۔ مجھے یہ کہتے ہوئے بھی مسرّت ہوتی ہے کہ ہماری بے غرض دوستی گزشتہ ۳۰ برس سے برقرار ہے۔

۲۶ر اگسٹ ۱۹۹۲ء

کبیر احمد

جناب صلاح الدین نیّر صاحب! آداب عرض۔

خدا کرے ہر طرح خیریت سے ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ محفلِ خواتین کی ذمہ داریاں بحسن و خوبی ادا ہو گئیں۔ ان دس بارہ برسوں میں آپ نے ہر وقت اور ہر موقعہ پر جو تعاون کیا اس کے لئے میں بے حد مشکور ہوں۔ سالانہ جلسے، مشاعرے، نمائش میں موسیقی کے پروگرام اور اس کے علاوہ میگزین کی مکمل ذمہ داری اور نگرانی یہ آپ کا ایسا پُرخلوص تعاون رہا کہ شاید محض شکریہ کے ذریعہ اپنے احساسات کا اظہار نہ کر سکوں۔ ایسے موقعوں پر اکثر الفاظ نہیں ملتے جو خیالات کی صحیح ترجمانی کر سکیں ـــ اللہ آپ کو معہ اہل و عیال صحت مند، مطمئن اور شاد رکھے۔ آمین۔ ایک بار پھر آپ کے تعاون کا شکریہ۔ خدا حافظ دعاگو

بنجارہ ہلز۔ ۸ر جولائی ۱۹۹۴ء فاطمہ عالم علی

مشفق نیّر بھائی صاحب!

بڑا مضحکہ خیز لگ رہا ہے تین ماہ بعد اپنے پہنچنے کی اطلاع دینا۔ لیکن آنے کے بعد تمام امور کی تکمیل بھی ضروری تھی جو ہماری طویل غیر حاضری میں انبار کی شکل میں موجود تھے۔ ان سے نپٹنے میں اتنی فرصت بھی نہیں ملی کہ آپ کو اپنی تحریر ارسال کر دوں۔ لیکن آپ نے بھی اس دوران اپنے قلم کو جنبش نہیں دی۔!

غالباً آپ بیشتر زیادہ وقت ادبی سرگرمیوں میں نذر کرتے ہیں۔ اکثر و بیشتر آپ کا تذکرہ ہماری گفتگو کا مرکز ہوتا ہے۔ آپ کا مخلصانہ رویہ ــ برادرانہ محبت و شفقت یادگار لمحے ہیں جو ہماری زندگی کا انمول اثاثہ بن گئے ہیں۔ آپ کے مصروف بہترین اوقات میں مخل ہونے کی تہہ دل سے معافی چاہتی ہوں۔ آئندہ پھر کبھی۔

خلوص و احترام کے ساتھ

پروین کمال

(فرانکفرٹ۔ جرمنی)

۲۵ر دسمبر سنہ ۱۹۹۱ء

نیر بھائی!

نیر بھائی سچ مچ آپ سے نہ ملنے کا دکھ ہے۔ ایک بھائی بہن کے گھر آئے اور بغیر ملے چلے جائے۔

ماضی کی چند بھولی بسری یادوں کا عکس زمانۂ حال کے آئینہ میں دیکھ کر ایک آہ بھرنے کو جی چاہتا ہے۔ "خاتونِ دکن" (رسالہ) میرے لئے دلستان اور گلستان کی حیثیت رکھتا ہے جس میں "گلِ تازہ" کی مہک بھی شامل ہے۔ بعض وقت افسوس ہوتا ہے کہ سرزمینِ دکن کو چھوڑ کر میں کہاں آگئی۔

صالحہ الطاف

(مدیر خاتونِ دکن)

دوحہ قطر ۱۲ر جون سنہ ۱۹۸۲ء

• آپ کا خط ملا۔ نشانِ منزل ابھی دور ہے۔ ابھی آپ کی کئی کتابیں منظرِ عام پہ آنی ہیں۔ میرے شریک نہ ہونے سے آپ بالکل مایوس نہ ہوں۔ ایسی اور کئی کتابیں آپ کی آنی رہیں گی۔

صالحہ الطاف
دوحہ قطر

نیر بھائی!
السّلام علیکم۔
امید کہ آپ خیریت سے ہونگے۔ آپ نے کتاب بڑے سلیقے سے بہت ہی خوبصورت چھپوائی ہے پہلے آپ کو پھر آپا کو میری طرف سے دلی مبارکباد۔ دعا ہے کہ "خوشبو کا سفر" دنیائے ادب میں خوشبو پھیلاتا رہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کا ایک اور مجموعہ قدرشناس ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے۔ خدا کرے کہ آپ آسمانِ ادب میں خوب چمکیں۔ بس یوں سمجھئے کہ آپ کی بہن کی دعائیں ہر دم آپ کے ساتھ ہیں۔
آپ کی شاعری "گلِ تازہ" سے شروع ہوئی ہے۔ جب حیدرآباد آؤں گی تو "گلِ تازہ" کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوگا۔
آپ کی بہن
صالحہ الطاف
۱۴ر مئی ۱۹۸۷ء

مکرمی جناب صلاح الدین نیرؔ صاحب !

مجھے افسوس ہے کہ یہاں آنے کے بعد کچھ ایسا مصروف ہو گیا کہ آپ حضرات کا شکریہ ادا نہ کر سکا ۔

اب حالات سازگار ہوئے تو لکھنے بیٹھ گیا کہ مزید تاخیر نہ ہونے پائے میں آپ کا اور رئیس اختر صاحب کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ میری پذیرائی کی۔

آپ کا ترانہ (مادرِ جامعہ عثمانیہ) بہت پسند آیا اُسی ترانے کو یہاں بھی پڑھنے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔ عارف قریشی نے پوچھا کہ کیسٹ کیوں نہیں لائے تا کہ اُسی طرز سے پڑھا جائے ۔ اگر آپ ترانہ ریکارڈ کر کے بھیجیں تو نقل کی جا سکتی ہے ورنہ پتہ نہیں کونسی لَے کو اختیار کیا جائے ۔

احقر

جدّہ — سعید محسن باعزال — ۱۰ر نومبر سنہ ۱۹۹۴ء

برادرم جناب نیرؔ !

میں کل رات ۱۲ ۱/۲ بجے لکژری بس کے ذریعہ حیدرآباد سے نکل کر آج صبح ۴ ۱/۲ بجے گلبرگہ شریف اللہ کے فضل و کرم بخیر و عافیت پہنچا ۔

میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرا ہر طرح خیال رکھا اور میری اہمیت اور وقار کو اپنے خلوص سے آگے بڑھایا ۔ موضوع

کی پیشکشی میں بھی آپ نے مجھے پہلے بلوایا اور کلام سنانے کے لئے
بھی آپ نے ایسا ہی کیا۔ میرے پاس الفاظ ہی نہیں کہ آپ کا بے حد
شکریہ ادا کروں۔ آپ کے دیرینہ خلوص اور وابستگی سے ہر کوئی
ذی شعور شخص نہ صرف حیدر آباد کا بلکہ اضلاع کا بھی واقف
ہے۔ یہ آپ کی مہربانی ہے کہ مجھے ہمیشہ یاد فرماتے رہتے ہیں۔
دوسرے دن کی شعری نشست بھی آپ کے خلوص کی آئینہ دار
ہے۔ گو وہ مختصر نشست تھی لیکن اس میں پیار، خلوص بھرا جذبۂ
خیر سگالی سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں بھی آپ نے صدارت کے لئے
مجھے ہی منتخب فرمایا۔ نئے دوست احباب سے متعارف کر دیا۔
الغرض میں آپ کی کن کن مہربانیوں کا شکریہ ادا کروں۔ یقین
مانیئے حیدر آباد کا جب بھی ذکر آتا ہے تو آپ یاد آجاتے ہیں۔
اور حیدر آباد جب بھی میرا آنا ہوتا ہے اس میں آپ سے نیاز حاصل
کرنے کا جذبۂ صادق اولین مقام رکھتا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ
میرا آپ کا دوست و مخلص کہلانا حیدر آباد کی علمی، ادبی اور قلمی
اداروں سے متعارف ہونا ہے۔ حیدر آباد کی کوئی علمی، ادبی اور
شعری بڑی سے بڑی محفل اور جلسہ ایسا نہیں ہوتا جس میں
آپ جیسی کی متحرک شخصیت کا دخل نہ ہو اور آپ ہر ایسی محفل
کے روح رواں ہیں۔ حقیقت اور صداقت کے اظہار کو کبھی مبالغہ قرار
نہیں دیا جا سکتا۔ میں مکرر آپکی عنایتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

احقر العباد
عبدالرحیم آرزو ایڈوکیٹ

گلبرگہ ۶ رمئی ۱۹۹۱ء

بھائی نیّر صاحب دام مجدہٗ !

میں آپ کے اس پُر خلوص خط کا بھی جواب نہ دے سکا جس میں آپ نے آل انڈیا ریڈیو کشمیر کے لئے مجھے اور دوسرے احباب کے کلام کو آل انڈیا ریڈیو گلبرگہ سے ریکارڈ کروانے کے لئے اقدام کیا تھا۔ میں ہمیشہ ہی سے آپ کے خلوص اور محبت کا قائل ہوں۔ آپ مجسّم شرافت اور وسیع النظر ہیں اور آپ میں عظیم انسان پوشیدہ ہے۔ حساس طبیعت کے ساتھ ساتھ آپ میں عزتِ نفس کا جوہر ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ حق و صداقت کے اظہار میں آپ نے کبھی بھی مصلحتوں کا خیال نہیں کیا۔ اپنی اُصول پسندی کو ہر ایک سے منوایا ہے۔ اور حیدرآباد میں آپ کا نام نہایت احترام اور عزت سے لیا جاتا ہے۔ آپ کے ہزاروں پرستار اضلاع حیدرآباد اور حیدرآباد کرناٹک میں موجود ہیں۔ شاعری کے میدان میں آپ کی بین الاقوامی شہرت ہے۔ جو مجھ جیسے انسان کے لئے باعثِ صد افتخار ہے۔ میں آپ کی کن کن خوبیوں کا اظہار کروں، عاجز ہوں۔ دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے اور آپ ادبی دنیا میں تابندہ ستارہ کی طرح نمایاں رہیں۔ (آمین)

گلبرگہ

عبدالرحیم آرزو ایڈوکیٹ

۲ مئی ۱۹۹۵ء

صدیق محترم جناب صلاح الدین نیرؔ صاحب!

السلام علیکم! جناب سید انیس ہاشمی میرے انتہائی قریبی رفیق کار اور گورنمنٹ ڈگری کالج بیدر میں اردو کے لیکچرر ہیں۔ موصوف اردو میں کسی ایک خاص موضوع پر ڈاکٹریٹ کے لئے ریسرچ کر رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں یہ حیدرآباد آرہے ہیں یہ ایک اچھے صاحب طرز ادیب، شاعر اور صحافی بھی ہیں۔ شاید اپنا کوئی مضمون ادرنیوز سیاست میں شائع کروانا چاہتے ہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ ان کی ممکنہ مدد و حوصلہ افزائی فرمائیں۔

آپ کا مخلص

بیدر

محسن کمال ایم پی سی
۲۷/ اکتوبر سنہ ۹۱ء

برادر محترم جناب صلاح الدین نیرؔ صاحب۔

السلام علیکم! بڑی شرمندگی و ندامت کے ساتھ مجھے یہ اطلاع دینی پڑ رہی ہے کہ ۱۳/ اگسٹ سنہ ۱۹۹۵ء کو منعقد شدنی حیدرآباد کرناٹک مسلم ویلفیر کانفرنس اور مشاعرہ فی الحال ملتوی کردیا گیا ہے۔ التواء کی وجوہات میں سب سے اہم ریاستی قانون ساز اسمبلی و کونسل کے ۷/ اگسٹ سے شروع ہونے والے اجلاس اور بارش کا شدید موسم ہے۔

انشاء اللہ اب یہ کانفرنس اور مشاعرہ اکٹوبر ۹۵ء کے دوران ہوگی جس کی تفصیل تاریخ کا متعاقب اعلان ہوگا۔ اس خصوص میں اخبارات

کو نیوز بھی بھیج دی گئی ہے۔ آپ کا غیر معمولی تعاون اور آپ کی برادرانہ شفقت میرے لئے بڑا اثاثہ ہے۔ ایک بار پھر زحمت دہی کے لئے معذرت خواہ ہوں لیکن اس یقین کے ساتھ کہ آپ کا یہ جذبۂ خلوص آئندہ بھی میرے لئے مشعلِ راہ رہے گا، اجازت چاہتا ہوں۔
محترم رئیس بھائی اور دیگر شعرائے کرام کو تسلیمات۔ ہو سکے تو محترم زاہد علی خاں صاحب سے بھی کانفرنس کے التواء کا ذکر کر دیجئے گا۔ زیادہ شکریہ۔ والسلام۔

بنگلور

آپ کا نیاز مند
محسن کمال ایم ال سی
۱۴ اگسٹ ۹۵ء

عزیزی نیّر میاں!

سلام و دعا۔ "سلسلہ پھولوں کا" میں بزم سعدی کا ذکر پڑھ کر خیال ہوا کہ اس بزم میں سنائی ہوئی چیزوں کو جو منتشر کاغذات کی شکل میں یہاں یکجا کر لیا جائے۔ اس طرح کچھ اردو کے مشاعروں میں سنایا ہوا کلام بھی بے ترتیب پڑا ہوا تھا۔ اب اس مجموعہ کی طباعت کی اصل وجۂ تحریک "سلسلہ پھولوں کا" ہی ہے اور یہ سمجھا جائے کہ گویا یہ اُسی کی ایک کڑی ہے۔
مجھے خیال آیا کہ اس پر تقریظ جناب صلاح الدین نیّر سے لکھواؤں گا۔ کیونکہ بزم سعدی کے بانی شریکِ معتمد آپ تھے اور پھر فارسی پر

بھی عبور رکھتے ہیں۔ پھر تقریظ لکھنے کے لئے کئی شرائط کی ضرورت ہے۔ یعنی اول تو لکھنے والے کے قلم و زبان میں وزن ہو، اور ایسے حساس دل و نگاہ رکھتا ہو کہ نظاہر ایک قابلِ توجہ چیز میں بھی کوئی خوبی چھپی ہوئی ہو تو اُس کی نظر میں آجائے۔ نیرؔ میاں آپ سے میری خواہش یہی ہے کہ اس بے ترتیب مجموعہ کو شروع سے آخر تک (اپنے حسبِ فرصت) ضرور پڑھ لیں اور پھر میری جھمیلوں والی زندگی کے تناظر میں میرے کلام کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کریں۔

اب ایک دوستانہ نصیحت۔ اپنی صحت کا خیال رکھئے اور اپنی مصروفیتوں کو حد سے زیادہ نہ بڑھائیے۔ دنیا بری جگہ ہے۔ مثل مشہور ہے سو دوست سو دشمن۔ اللہ تعالیٰ سے بواسطۂ محمدؐ و آلِ محمدؐ دعا ہے کہ آپ کو نظرِ بد سے بچائے اور آپ کا معیار کسی موقعہ پر بھی متاثر نہ ہونے پائے۔

دعاؤں کے ساتھ

حامد بن شبیر
(سیشن جج موظف)

۱۹ر جولائی ۱۹۹۳ء
حیدرآباد

مکرمی نیرؔ صاحب۔ سلام مسنون!

اُمید ہے کہ آپ اور سب احباب مع الخیر ہوں گے خصوصاً رئیسؔ اخترؔ، منان منظورؔ، مومن خان شوقؔ۔

میں نے ۳ر جون کو مہاراشٹر اُردو اکادمی کے مشاعرے میں حصّہ لینے کے بعد ۴ر اور ۵ر کو اکادمی کے سمینار میں شرکت کی۔ مشاعرہ بے حد سنجیدہ تھا اور "گویوں" سے عاری تھا۔ ایک دو شاعر ایسے تھے جنھوں نے باقاعدہ ترنم سے شعر سُنائے۔ باقی سب نے تحت اللفظ کلام پیش کیا۔ خوشی اس بات کی ہے کہ ادھر چند روز سے حیدرآباد کے باہر "گویوں" کی مانگ کم ہوتی جارہی ہے اور مشاعرے ادبی قسم کے ہونے لگے ہیں۔ جانے حیدرآباد کے ماحول میں یہ خوشگوار تبدیلی کب آئے گی۔ بمبئی میں گوپی چند نارنگ سے ملاقات ہوئی میری میر والی کتاب کی تعریف کر رہے تھے۔ دِلّی میں شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی تعریف کی۔ نظریاتی مخالفت کے باوجود دو ایسے نقادوں سے، جو اب ایک دوسرے کے مدّاح نہیں ہیں اپنی کتاب کی تعریف سُن کر خوشی ہوئی۔ افسوس کہ حیدرآباد کے ادبی حلقوں میں اس کی پذیرائی نہیں ہوئی۔ شاید اس وجہ سے کہ کتاب خرید کر پڑھنے کی ہمارے ادیبوں کو عادت نہیں ہے۔

میں بمبئی سے ۶ر جون کی رات یعنی ۷ر جون کی اوّلین ساعتوں میں لندن کے لئے ایک بج کر پندرہ منٹ کو روانہ ہوا اور ۸ر بجکر ۱۵ منٹ پر اُسی روز صبح لندن پہنچا۔

لندن میں پندرہ روز رہا۔ وہاں جن دوستوں سے ملاقات ہوئی ان میں سے ادبی ذوق رکھنے والوں میں ڈاکٹر ضیاءالدین شکیب کے علاوہ مصطفٰی شہاب، مصطفٰی احمد، بابر مسعود، حسن الدین احمد کے بھائی عزیز اور کئی لوگ تھے۔ ڈاکٹر ضیاءالدین شکیب نے میر کی غزل گوئی پر میری ایک گھنٹے کی تقریر کا اہتمام کیا۔ پاکستان سنٹر میں منعقدہ جلسے میں تعجب کی بات ہے کہ تقریباً چالیس احباب کی موجودگی میں بلا جھجک میں نے تقریر کی، اور پھر ایک گھنٹے تک سوال جواب کا سلسلہ جاری رہا جس میں بی بی سی کے نامہ نگار نے بھی شرکت کی۔ جلسہ اتنا کامیاب رہا کہ سامعین میں سے چند نے کہا کہ وہ چاہتے تھے کہ تقریر ایک اور گھنٹے تک جاری رہے۔ عجیب بات ہے کہ میں نے کبھی اپنے آپ کو مقرر نہیں سمجھا اور اس تجربہ کے بعد ایک اعتماد سا محسوس ہونے لگا ہے۔

میں ۲۳ جون کو لندن سے روانہ ہوا اور اسی روز دوپہر کو شکاگو پہنچا۔ میری دو پوتیوں کو کراٹے (TAE KWON DO) میں بلیک بیلٹ (BLACK BELT) ۲۶ جون کو ملا اور ۳ جولائی کو میری پوتی نے امریکہ کی تے کوان ڈو NATIONAL CHAMPIONSHIP جیت لی اور ایک بہن دو مقابلوں میں۔ یہاں حسن چشتی صاحب سے ملاقات ہوئی اور افتخار نسیم کے گھر پر ایک نشست رہی جہاں پتہ چلا کہ میر والی تقریر پاکستان میں بھی کافی مقبول ہوئی۔ مخلص۔ راشد آذر

شکاگو
۱۸ جولائی سنہ ۹۴ء

لندن میں پندرہ روز رہا۔ وہاں جن دوستوں سے ملاقات ہوئی ان میں سے ادبی ذوق رکھنے والوں میں ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب کے علاوہ مصطفیٰ شہاب، مصطفیٰ احمد، بابر مسعود، حسن الدین احمد کے بھائی عزیز اور کئی لوگ تھے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب نے میر کی غزل گوئی پر میری ایک گھنٹے کی تقریر کا اہتمام کیا۔ پاکستان سنٹر میں منعقدہ جلسے میں تعجب کی بات ہے کہ تقریباً چالیس احباب کی موجودگی میں بلا جھجک میں نے تقریر کی، اور پھر ایک گھنٹے تک سوال جواب کا سلسلہ جاری رہا جس میں بی بی سی کے نامہ نگار نے بھی شرکت کی۔ جلسہ اتنا کامیاب رہا کہ سامعین میں سے چند نے کہا کہ وہ چاہتے تھے کہ تقریر ایک اور گھنٹے تک جاری رہے! عجیب بات ہے کہ میں نے کبھی اپنے آپ کو مقرر نہیں سمجھا اور اس تجربہ کے بعد ایک اعتماد سا محسوس ہونے لگا ہے۔

میں ۲۳ جون کو لندن سے روانہ ہوا اور اسی روز دوپہر کو شکاگو پہنچا۔ میری دو پوتیوں کو کراٹے (TAE KWON DO) میں بلیک بیلٹ (BLACK BELT) ۲۷ جون کو ملا اور ۳ جولائی کو میری پوتی نے امریکہ کی تے کوان ڈو NATIONAL CHAMPIONSHIP جیت لی اور ایک نہیں دو مقابلوں میں۔ یہاں حسن چشتی صاحب سے ملاقات ہوئی اور افتخار نسیم کے گھر پر ایک نشست رہی۔ یہاں پتہ چلا کہ میر والی تقریر پاکستان میں بھی کافی مقبول ہوئی۔ مخلص۔ راشد آذر

شکاگو

۱۸ جولائی سنہ ۹۴ء

عزیز ترین دوست نیّر صاحب!

السّلام علیک!

مجھے اچانک ایک کام کے سلسلے میں بنگلور جانا پڑ رہا ہے۔ شاید صدر جمہوریہ ہند کے راشٹرپتی نیلائم والے مشاعرہ میں شرکت نہ کر سکوں لیکن میری یہ کوشش رہے گی کہ میں بہر صورت وقت پر پہونچ جاؤں۔ (پاس تو مجھے مل گیا ہے)۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم (رئیس اختر، صلاح الدین نیّر) چاہے وہ کل ہند مشاعرے ہوں کہ گورنمنٹ کی سطح کے اعلیٰ محفلیں ہوں، مدعو کئے جاتے ہیں۔ حکومت کے سربراہوں سے بھی ہمارے مراسم ہیں۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ ہم عرب ممالک کے مشاعروں میں بھی مدعو کئے جاتے ہیں ـــ

تمہاری اور میری دوستی اٹوٹ ہے۔ انشاءاللہ تاحیات اسی پُر وقار اور والہانہ وابستگی کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اپنی ۳۵،۳۰ سالہ شاعرانہ زندگی میں ہم نے بہت سے انقلاب دیکھے ہیں۔ کیسے کیسے دوست، کیا سے کیا ہو گئے۔ یہ الفاظ دیگر بعض دوستوں نے ادبی خودکشی کر لی ہے۔ معیاری محفلوں سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔ اللہ انہیں توفیق دے کہ وہ اپنی ۳۵ سالہ دوستی کے ایک ایک لمحہ کا جائزہ لیں۔ ـــ

• یہ خط بھیجنے والا ہی تھا کہ بنگلور سے ٹیلیگرام آیا کہ مجوزہ مصروفیات ملتوی ہو گئی ہیں ۔ تم سے آج شام انشاءاللہ اشوکا ہوٹل (لکڑی کا پل) پر ملاقات ہو گی ۔

"گلفشاں" (گلاب سنگھ کی باؤلی) تمہارا دیرینہ دوست

۱۹۹۵ء رئیس اختر

محبی و مکرم جناب نیر صاحب!

سلام رحمت!

بہادر یار جنگ کو شہید ہوئے ۵۱ سال کا طویل عرصہ ہوتا ہے۔ بہادر یار جنگ ایک خطیب بے بدل اور عظیم قائد تھے۔ قائد ملت کی خدمات اور احسانات کو ہم بھلا نہیں سکتے۔ چونکہ آپ بزرگ شاعر ہیں اور قلب و نظر سے راسخ العقیدہ مسلمان ہیں لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ قائد ملت پر ایک نظم مختصر سہی جلسۂ قائد ملت جو ۲۸ نومبر ۹۵ء کو بعد مغرب بہادر یار جنگ ہال، مشیرآباد میں منعقد ہو گا سنانے کی زحمت فرما کر مشکور رہیں۔

محسن اردو عابد علی خاں پر آپ کا کہا ہوا شعر —

بہت سے لوگ تو بیٹھے ہیں شہ نشیں پہ مگر
وہ ایک خاص جگہ اب بھی خالی خالی ہے

مجھے رلانے کے لئے کافی ہے۔ میں قدیم آپ کے کلام کا شیدائی ہوں۔

احقر
مشیرآباد ۱۷ر نومبر ۱۹۹۵ء محمد ظہور الحسن

ڈیر نیّر۔ پیار!

تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ادبی گروہ بندیوں سے ہمیشہ بے نیاز اور غیر جانبدارانہ روش کا پابند رہا۔ شکر ہے کہ از راہِ خلوص ہی سہی تم نے کبھی مجھے باندھ کے رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ تمہاری یہی فراخدلی تمہارے میرے درمیان رشتۂ دوام کی ضامن رہی۔ میں دوست پسند ہوں گروپ پسند قطعاً نہیں۔ کبھی کبھی حسب موقع جب میں کچھ دوستوں کے زیادہ قریب ہوتا ہوں تو وہ یہہ سمجھنے لگتے ہیں کہ میں اب ان کا ہو کر دوسروں سے قطع تعلق کر چکا ہوں۔ احباب کی اس سوچ سے مجھے نقصان پہونچا۔

میں کسی کا بھی ہو سکتا ہوں؛ لیکن کسی کا ہونے کا یہہ مطلب نہیں کہ میں کسی اور سے کٹ جاؤں یا کٹ چکا ہوں۔ تم نے مجھے کبھی فراموش نہیں کیا۔ میں نے بھی کبھی تم سے بے نیازی کا تصوّر نہ کیا۔ سب میں رہ کر تمہارا رہا، تمہارا ہو کر سب میں رہا۔ میں کسی بھی گروپ میں رہا ہوں تمہارے خلاف کسی سے ایک لفظ سن نہیں سکتا۔ میں خود تمہاری شکایت کر سکتا ہوں لیکن تمہاری کوئی اور شکایت کرنے تو میرا خون کھول جاتا ہے۔

تم نے کچھ مشاعروں میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ شکریہ مگر میری سینیارٹی اور میرا جذبہ غیر جانبداری جس درجہ تم نے جو اس کی میں

ڈیئر نیّر ۔ پیار !

تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ادبی گروہ بندیوں سے ہمیشہ بے نیاز اور غیر جانبدارانہ روش کا پابند رہا۔ شکر ہے کہ از راہِ خلوص ہی سہی تم نے کبھی مجھے باندھ کے رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی ۔ تمہاری یہی فراخدلی تمہارے میرے درمیان رشتۂ دوام کی ضامن رہی ۔ میں دوست پسند ہوں گروپ پسند قطعاً نہیں ۔ کبھی کبھی حسبِ موقع جب میں کچھ دوستوں کے زیادہ قریب ہوتا ہوں تو وہ یہہ سمجھنے لگتے ہیں کہ میں اب ان کا ہو کر دوسروں سے قطعِ تعلق کر چکا ہوں۔ احباب کی اس سوچ سے مجھے نقصان پہونچا۔

میں کسی کا بھی ہو سکتا ہوں، لیکن کسی کا ہونے کا یہہ مطلب نہیں کہ میں کسی اور سے کٹ جاؤں یا کٹ چکا ہوں ۔ تم نے مجھے کبھی فراموش نہیں کیا ۔ میں نے بھی کبھی تم سے بے نیازی کا تصوّر نہ کیا ۔ سب میں رہ کر تمہارا رہا، تمہارا ہو کر سب میں رہا ۔ میں کسی بھی گروپ میں رہا ہوں تمہارے خلاف کسی سے ایک لفظ سُن نہیں سکتا۔ میں خود تمہاری شکایت کر سکتا ہوں لیکن تمہاری کوئی اور شکایت کرے تو میرا خون کھول جاتا ہے ۔

تم نے کچھ مشاعروں میں شرکت کی دعوت دی ہے ۔ شکریہ مگر میری سینیاریٹی اور میرا جذبہ غیر جانبداری مجبور کرتا ہے کہ اس کی میں

تم سے اُمید رکھوں گا۔ میں تمہارے اس خلوص کی قدر کرتا ہوں
کہ ایسی بحث و تکرار کے باوجود تم نے دوستی کو افضل جانا۔
افضل رکھا۔ مشاعرے ہوتے رہتے ہیں۔ مگر دوستی کا برقرار
رہنا بہت مشکل ہے۔ تم وضعداری میں قابلِ تقلید ہو۔
میں جانتا ہوں کہ تم کسی سے محبت پاتے رہو تو اُسے
محبت دینے میں بخالت نہیں کرتے۔ تم درگزر کا جذبہ رکھتے ہو۔
تمہیں ناگوار نہ گزرے تو عرض کروں کہ دنیا چھوٹی
سی ہے۔ احباب کی تعداد مختصر سی ہے۔ کبھی کبھی کسی سے نرم
گرم بحث یا اختلاف پڑ جائے تو اپنی درگزر والی پالیسی
کو ستم ندہ نہ ہونے دو۔ میرے تمہارے درمیان بحث بہت
ہے مگر اختلاف نہیں۔ میں اُن لوگوں کی بات کر رہا ہوں جن سے
اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔
میں نفاق کی بات کبھی نہیں کرتا، اتحاد کی بات کرتا ہوں۔
خیر ــــ تمہاری مزید ترقی، صحت مندی اور خوشحالی کے لئے دعاگزار۔

تمہارا
اکمل
۱۵ر جولائی ۱۹۹۵ء

اکمل حیدرآبادی
ٹولی چوکی۔ حیدرآباد-۸